ماہنامہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

OCTOBER 1985

MONTHLY HAYAT - E - NAU OCT 1985
BILARIAGANJ AZAMGARH (U.P.)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٭ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

حیات نو

اکتوبر ۱۹۸۵ء

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲/۵۰ روپے ٭ سالانہ زر تعاون ۲۵/- روپے

ترسیل زر کا پتہ: جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ یوپی

"نشاط پریس ٹانڈہ فیض آباد"

نقوش حیات نو

اداریہ

دو واقعات ______ ایڈیٹر ۳

انٹرویو

راشد النفیوشی سے انٹرویو ______ پروفیسر آسی ضیائی ۷

مقالات

اسلام میں متہم کے حقوق ______ محمد طاہر مدنی استاذ جامعہ ۱۵

اسلام کو پورا پورا قبول کرو یا پورا پورا چھوڑ دو ______ محمد رضی الاسلام ندوی علیگڑھ ۲۲

حجۃ الوداع ایک انقلاب انگیز دعوت ______ امین احسن متعلم جامعہ ۳۰

تلاش ______ ارشاد احمد ندوی علیگڑھ ۳۵

حافظ سلامت ایک شخصیت ایک تعارف ______ منیر احمد خلیلی ۳۷

ردیف رسول حضرت عقبہ بن عامر جہنی ______ ابو جاوید استاذ جامعہ ۴۵

حلقۂ یاراں

عبدالمغنی - ارشاد احمد، فاروق عالم حامد علی - ابو زبیر ۵۲

شعر و نغمہ

دو غزلیں ______ نگار افضل گڑھی ۴۶

غزل ______ اسلم نصیر پوری ۴۹

نعت ______ شفیق طاہری ۴۹

غزل ______ بدر عالم خان ایم اے ۵۲

غزل ______ نور الدین انور ۵۵

جامعہ کے لیل و نہار ______ ڈی ایف فلاحی ۵۶

اداریہ

دو واقعات

"انسان اس خوش فہمی میں مبتلا رہ کر وہ وقت کو کاٹتا ہے لیکن حقیقتاً وقت انسان کو کاٹتا رہتا ہے۔ وقت سے متعلق کسی نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ وقت انسان کو کس طرح اور کتنی تیزی سے کاٹتا ہے اس کا احساس اس کو نہیں ہے۔ اسکا اندازہ سانس کی آمد و رفت سے کر سکتے ہیں یا گھڑی میں حرکت کرتی سکنڈ کی سوئی سے بلکہ خدا کی کائنات میں تو اس سے زیادہ تیز رفتار چیزیں ہیں مثلاً روشنی ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار کلو میٹر کا سفر طے کرتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وقت کتنی تیزی سے گذر رہا ہے

ابھی چند سال پہلے جب پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہوا تھا تو پوری دنیا میں مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا اور عہد کیا تھا کہ ہم اب اسلام کے لئے کام کریں گے اور ہمارا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا زندگی اور موت سب اسلام کے لئے ہوگی اور اس کو ہم انشاء اللہ غلبۂ اسلام کی صدی بنائیں گے۔ مسلمان اپنے اس عہد کو کہاں تک پورا کر رہے ہیں وہ اپنا خود جائزہ لیں اور اپنا احتساب کر کے بتائیں البتہ ہم کو اتنا ضرور محسوس ہو رہا ہے کہ اس عظیم مقصد کے لئے جس طریقے سے جدوجہد کرنا چاہیے ہم نہیں کر رہے ہیں مثال کے طور پر ہندوستان میں مسلمانوں کے تشخص کے لئے اور انکے پرسنل لا کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ پیدا کر دیا گیا اس کے لئے تمام مکاتب فکر اور دینی اور دنیاوی کام کرنے والی جماعتوں اور افراد نے ملکر کیسا پلیٹ فارم بنایا اور اسکو ہر طرح کا اختیار اور آزادی دی کہ وہ جو بھی قدم اٹھانا چاہے اٹھائے اور مسلمانوں سے جس طرح بھی تعاون لینا چاہے لے۔ لیکن اس نے

بیچوٹی کے علماء، لیڈرس، سیاست داں، قانون داں، اور افراد ہونے کے باوجود جس مصلحت پسندی کا ثبوت دیا۔

مردہ قوموں میں تو اسکی مثالیں بہت ملیں گی لیکن زندہ اور بیدار قوموں میں شاذ و نادر ہی کوئی مثال ملے۔ حد تو یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے سامنے نان و نفقہ سے متعلق صحیح طور سے اپنا موقف بھی نہ پیش کر سکے اور نتیجۃً فیصلہ اسلام اور شریعت کے خلاف ہو گیا۔ اور فیصلہ کے بعد اخباری کانفرنسوں اور بیانات سے آگے نہ بڑھ سکے اور اب خبر آئی ہے کہ ستمبر میں بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا جائیگا گا۔ خدا ہی جانے یہ پروگرام بھی مصلحتوں کا شکار ہوتا ہے یا عملی جامہ پہنتا ہے۔

وقت بڑی تیزی سے گذر رہا ہے۔ منٹ گھنٹوں میں، گھنٹے دنوں میں اور دن مہینے اور سالوں میں بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے اور آج ہم پھر ایک نئے سال ہجری میں داخل ہو گئے ہیں

محرم کا مہینہ جب آتا ہے تو بہت سے واقعات ذہن کے پردے پر تیزی سے ڈوبنے لگتے ہیں آج ہم صرف دو واقعات کی طرف توجہ مبذول کرائیں گے۔

آج سے ٹھیک ۱۴۰۷ سال پہلے عرب کی سرزمین میں ایک ایسا یادگار اور روح پرور واقعہ پیش آیا جو تا قیامت واقعات کی تاریخ میں ایک سنگ میل بن گیا۔ جبکہ سرورِ کائنات خاتم الانبیاء رسول مقبول محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے دین کی اشاعت و تبلیغ کے لئے جب مکہ کی سرزمین میں تحریک اسلامی کی داغ بیل ڈالی اور جد و جہد کا آغاز کیا تو بڑے بڑے چودھریوں کے کان کھڑے ہو گئے اور جیسے جیسے یہ قافلہ آگے بڑھتا گیا مصائب و مشکلات ابتلاء و آزمائشیں بھی بڑھتی گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے رفقاء نے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے طعنے سنا، گالیاں کھائیں، قید رہے، فاقہ کیا اور طائف کی وادیوں میں مبارک جسم پتھروں سے لہو لہان ہوا اور پھر کفار و مشرکین نے قائد تحریک اور سرورِ عالم کو ختم کرنے کا پلان بنایا۔ اور ننگی اور خون کی پیاسی تلواریں اسلام کے چراغ کو بجھانے کیلئے میانوں سے نکل آئیں۔

کیسا عجیب رہا ہوگا وہ لمحہ جب دنیا بھر کے سب سے بہتر انسان وقت کے نبی اور خدا کے لاڈلے اور پیارے بندے کو گھر بار

ہجرت کرنے کی تیاری کر رہے ہونگے اور کچھ خوش بخت اور نیک طبیعت انسان اس کے استقبال کی تیاری۔ کچھ تنگ نظر اپنے اقتدار و قوت وطاقت کے نشے میں اسکے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہوں گے اور کچھ ایمان و یقین سے معمور انکی جانیں چھڑکنے کے لئے بے چین۔ ایک جاں نثار اس کے بستر پر امانتیں واپس کرنے کے لئے لیٹا ہوگا اور ایک نے غار ثور میں رفاقت کی ہوگی۔ کسی نے بکریوں کا دودھ پلایا ہوگا اور کسی نے اپنا نطاق پھاڑ کر اس کا ناشتہ باندھا ہوگا۔

کیسا رہا ہوگا وہ وقت جب انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں اپنے محبوب اور پیارے نبی کو پیار محبت کا ترانہ گنگنا رہی ہوگی۔

طلع البدر علینا ۔ من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ۔ ما دعا للہ داع

اور کیسا اضطراب انگیز رہا ہوگا رات کا وہ پچھلا پہر جب عباس بن عبادہ بن نضلہ نے اٹھ کر انصار سے کہا ہوگا۔ "جانتے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو (آوازیں) ہاں جانتے ہیں، تم اسکے ہاتھ پر بیعت کرکے دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال و اسباب تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں گے تو تم اس کو دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا و آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ جو بلاوا تم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اموال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کے باوجود نباہو گے تو بیشک اس کا ہاتھ تھام لو خدا کی قسم یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔"

اس پر تمام وفد نے کہا۔ ہاں، ہاں، ہم اسے لے کر اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔"

یہ ہجرت کا دیباچہ اور اصل پورے واقعہ کو واقعہ ہجرت کہتے ہیں۔ کیا ہجرت کے اس نئے سال کے آغاز پر ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم پھر یہ عہد و قرار باندھیں کہ ہم خدا کے دین کی حفاظت کیلئے اپنے اموال کی اور اپنے اشراف کی تباہی و ہلاکت برداشت کریں گے اور تنگی اور فراخی مصیبت و راحت ہر حال میں خدا و رسول کا ساتھ دیں گے ۔۔۔ یقیناً یہ بڑا سنہرا موقع ہے کاش ہماری قوم پھر یہ عہد کرلیتی

محرم کا دوسرا واقعہ بھی تاریخ کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ محرم سنہ ۶۱ ہجری کی صبح بنی نوع انسان عالم کے لئے کوئی اچھی صبح نہ تھی۔ جب کربلا کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نظر، علیؓ کا لخت جگر اور فاطمہؓ کا جگر پارہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ عمر بن سعد کی تیس ہزاروں فوجوں کے گھیرے میں تھا۔ مصالحت کی ساری کوششیں بے کار ہو گئی تھیں۔ دشمن یزید کی بیعت یا حسینؓ کے خون سے کم کسی چیز پر راضی نہ تھا۔ ایک طرف ۷۲ جانثار تھے اور دوسری طرف ہزاروں کا لشکر، صفیں ترتیب دے دی گئیں۔ عمر بن سعد نے پہلا تیر چلایا اور جنگ کا آغاز ہو گیا۔ جان نثاران حسینؓ ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے اور اب علی اکبر کی باری تھی۔

کتنی سوگوار رہی ہو گی وہ فضا اور کتنا دردناک رہا ہو گا وہ منظر جب اکیلا حسینؓ تیس ہزار سواروں سے بھوکا پیاسا اس حال میں لڑ رہا ہو گا کہ اسکی عورتیں اور بچے اسکے قریب خیمے میں بے یار و مددگار اور غیر محفوظ پڑے ہونگے اور اس کے ساتھی اور جان نثار ایک ایک کر کے اسکی آنکھوں کے سامنے جام شہادت نوش کر چکے ہو نگے اور پھر خود حسینؓ بھی لڑتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

ہو گا اسکا جسم تیروں اور تلواروں کے زخموں سے بھر گیا ہو گا۔ اسکا سر کاٹ کر جدا کر دیا گیا ہو گا اور جسم پاک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا گیا ہو گا۔

حضرت حسینؓ کی یہ شہادت واقعہ کربلا کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہادت دین کے ایک عظیم قربانی تھی جو دین کے اندر ایک بڑی تبدیلی اور بگاڑ کو روکنے کے لئے دی گئی تھی۔ تاریخ کے اس عظیم واقعہ کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے اور لاکھوں فرزندان اسلام حضرت حسینؓ سے اپنی محبت اور وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ زمین و آسمان جب تک قائم رہیں گے چاند اور سورج جب تک طلوع و غروب ہوتے رہیں گے حسینؓ کی قربانی دلوں کو گرمی اور حرارت عطا کرتی رہے گی۔

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی مظلومیت اور اسلامی اقدار کی پامالی دیکھی نہ گئی اور انھوں نے اسکو روکنے کے لئے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ آج پھر مظلوم دین ہم سے جان و مال کی قربانی سے کم کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر رہا ہے۔ کیا ہم ——— حضرت حسینؓ کے نقش قدم پر چلنے کے دعویدار ...... اپنا ...... سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں ...... ہے کیونکہ ہر کربلا کے بعد اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

[illegible] ۱۰/۹/۱۹۹۰

راشد الغنوشی

تیونس میں تحریک اسلامی

مترجم جناب پروفیسر آر. ایس. خیبانی سیلبی

تیونس کی اسلام پسند تحریک کے معروف رہنما، راشد الغنوشی گذشتہ اگست کو دس میں سے تین سال قید کاٹ کر رہا ہوئے۔ انہیں یہ سزا بورقیبہ کی مخالفت، اسلامی اصولوں کی مخالفت کرنے پر دی گئی تھی۔

یہاں آن کا عبدالحبیب قسطنطنیہ سے ایک انٹرویو پیش کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے تحریک اسلامی میں اپنے تجربات بیان کیے ہیں اور شمالی افریقہ میں اس تحریک کے مستقبل پر اظہار خیال کیا ہے۔

سوال:- کیا آپ اپنی سرگذشت بتائیے گا اور یہ کہ اسلام کی راہ میں جدوجہد سے کیونکر وابستہ ہوئے۔

جواب:- میں نے ثانوی تعلیم زیتونہ مدرسے مکمل کی۔ جس کے بعد تیونسی حکومت نے وہ بند ہی کر دیا۔ یہاں میرا تعلق آزادی کے ابتدائی سالوں والے طلبائے زیتونہ کی نسل سے ہے مجھے یاد ہے کہ ہم اپنے ہی ملک میں خود کو اجنبی محسوس کرتے تھے۔ ہماری تعلیم تو ہوئی تھی مسجدوں اور مدرسوں جیسی، مگر ملک ہمیں مکمل طور پر فرانسیسی تہذیب میں غرق نظر آتا تھا۔ مزید تعلیم کے دروازے ہم پر بند تھے اسی لئے مشرق وسطی جانا پڑتا تھا۔ میں بھی انہی میں سے تھا جنہوں نے مشرق وسطی میں اپنی پڑھائی مکمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے دمشق سے شعبہ فلسفہ و ادبیات بالخصوص فلسفہ میں میٹرک اور چار سال گریجویشن کیا۔

سنہ ۱۹۶۳ء میں جب میں نے یونیورسٹی میں پڑھنا شروع کیا تب میرا مسلک عرب قومیت کی راہ پر چل رہا تھا، سو میں بھی کچھ مدت تک اس سے وابستہ رہا۔ ان میں سائنٹفک

سوشلزم شامل تھا جو مارکسزم سے بہت قریب تھا۔ چنانچہ یونیورسٹی کے ابتدائی سالوں میں میں بھی لادین ہو گیا تھا۔ البتہ اندر سے میں برابر مومن رہا ہیں۔ رمضان میں روزے رکھتا تھا مگر نماز اور دین کے دیگر تقاضے پورے نہ کرتا تھا۔

جیسا کہ ہم شمالی افریقہ کے لوگ سمجھتے ہیں، میں بھی ہمیشہ سمجھتا رہا کہ میرا عرب ہونا اور مسلمان ہونا غیر منفک حقائق ہیں۔ البتہ مشرقِ وسطیٰ میں عرب عیسائی بھی ہوتے ہیں اور مختلف غیر مسلم فرقوں والے بھی۔ وہاں عربیت کا تصور ہی بالعموم مخالفِ اسلام ہوتا ہے۔

عرب قومیت سے میرا لگاؤ زیادہ دیر نہ رہا۔ یونیورسٹی کے اندر جب میرا واسطہ دوسرے اسلام پسندوں سے پڑا جو نیشنلزم کے قائل نہ تھے تو میری ان سے بحث ہوئی جس سے ترقی پسندانہ طور پر میرے ذہن پر سے نیشنلزم کی گرفت کمزور پڑتی گئی۔ کچھ عرصے بعد میں نے جان لیا کہ عرب نیشنلزم اسلام کے خلاف ہے۔ اگرچہ عربی جذبات وشتہ تھے، جس میں میری تعلیم ہوئی تھی، اور اسلام ایک ہی بات ہے۔ ان دنوں میں شام کی بعث سوشلسٹ پارٹی کا ممبر تھا، مگر جب

ایک دفعہ میں نے اس کا صحیح مطلب سمجھ لیا تو اسے ترک کر دیا۔ اور اسلام کو مکمل طور پر اختیار کر لیا اور ساتھ ہی مجھ میں یہ امنگ پیدا ہو گئی کہ ان تمام لادینی رجحانات کے ایک ایک مورچے سے جنگ کی جائے۔

پھر میں اعلیٰ تعلیم کے لیے فرانس چلا گیا، مگر خاندانی حالات کے باعث مجھے ایک ہی سال بعد واپس تیونس آنا پڑا۔ یہاں ایک ثانوی مدرسے میں میں نے استاذ فلسفہ کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا۔ تبھی سے میں نے نوعمروں میں اپنی اسلامی سرگرمیاں شروع کیں۔ یہ ۱۹۶۰ء کے عشرے کا آخری زمانہ تھا۔

اس مدرسے میں ہم نے ایک پرانی مسجد کو، جو کچھ عرصے سے ویران پڑی تھی، آباد کرنے کی پہل کی۔ ابتدائی مدارج میں میں اپنی بیشتر مساعی اس کام کے لیے وقف رکھتا کہ عقلی استدلال سے اپنے طلبہ پر مادہ پرستانہ نظریے کی خامیاں اور تضادات واضح کر دوں۔ پھر میں اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرتا اور تمام دیگر مغربی ادیان پر اس کی

برتری ثابت کرتا۔

ہمارا حقیقی کام دراصل ستر کے عشرے میں شروع ہوا۔ جب یہاں دارالحکومت میں نوجوانوں کا ایک چھوٹا سا گروپ بنا۔ ان دنوں کوئی نوجوان، بالخصوص جب کہ وہ تعلیم یافتہ لوگوں میں سے بھی ہو، نماز پڑھتا مشکل ہی ملتا تھا۔ رہیں لڑکیاں تو تقریباً ناممکن تھا کہ ان میں سے کوئی اسلامی لباس میں دکھائی دے جائے۔ اسی پہلے گروپ کے ممبروں میں سے عبدالفتاح مورو تھے۔

ہماری سرگرمیوں کے دو میدان تھے۔ ثانوی مدارس، جہاں ہم جلسے اور اجتماعات منعقد کرتے، اور مساجد جہاں ہم اسلام کے متعلق درسوں کا اہتمام کرتے۔ کبھی کبھی ہم اسلام کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے سڑکوں پر بھی نکل آتے، جیسے پاکستان کی الاصل تبلیغی جماعت کرتی ہے۔

سوال:- کیا حکومت نے ان سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کی۔

جواب:- اس وقت کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ ایک اسلامی تحریک کو اپنے ماحول کے اندر کوئی کامیابی ہو پائے گی جو مادی قدروں سے چھٹکارا پا رہا ہو، جہاں ہر چیز حدودِ اسلام کی پامالی کی دعوت دیتی ہے۔ اس نظام نے نوجوانوں کو بے دین بنانے کا خصوصی اہتمام کیا تھا۔ مادہ پرست رجحان نے انہیں نڈھال اور مسکین بنا ڈالا تھا۔ بہرحال جب اسلام پسندوں کی تعداد بڑھنے لگی، تب حکومت نے ہماری سرگرمیاں مفلوج کر دینے کی کوشش کی۔ ایسے ہم مجبور ہوئے کہ عمل کے اور طریقے سوچیں۔ چنانچہ ہم نے اپنی تدبیر (اسٹریٹجی) بدل کر طے کیا کہ اپنے گھروں ہی کے خفیہ میدانِ جنگ میں اپنی سرگرمیاں لے جائیں۔ ہم نے خود کو اسلام کی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کے لیے گروپ بنائے۔ ہر گروپ میں کچھ دس برادران اور ایک نگران اور ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ تعلیم حفظِ قرآن، سنت اور دوسرے علومِ اسلامی کے مطالعے پر مشتمل ہوتی۔ ہم ایک چھوٹا سا اسلامی معاشرہ بن کر ایک دوسرے کو ہر اس بات میں مدد دیتے جو ہمیں اللہ سے قریب تر کرے۔ ہم نے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے باقاعدہ چندہ دینا رائج کیا۔

یہ چھوٹے چھوٹے گروپ بڑھتے بڑھتے پورے ملک پر محیط ہو گئے۔ ادھر ثانوی مدارس کے طلبہ یونیورسٹی میں پہنچے اور وہاں اسلامی

اور مارکسیوں میں باہم کشمکش شروع ہوئی۔ کچھ سالوں سے مارکسیوں کا طلبہ میں بڑا زور تھا اور وہ ہم پر بقول اپنے "انقلابی تشدد" آزمانے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ اس صورت حال میں، اسلام پسند بھی اپنے بچاؤ کی خاطر ایک سے زائد بار جوابی کارروائی کرنے پر مجبور ہوئے۔ دس سال کی مسلسل لڑائی کے بعد اسلام پسندوں نے یونیورسٹیوں میں طاقت پکڑی، اور آج طلبہ کی تمام تحریکوں میں طاقت ور ترین مانے جاتے ہیں۔ اُدھر اس اثنا میں ہم تقریباً سو نئے مدرسے اور مسجد کھولنے میں کامیاب ہوگئے۔

اپنی دعوت کو مزید بڑھانے کی غرض سے مزدور یونینوں کے ذریعے مزدوروں کی دنیا میں داخل ہوئے۔ ہمارے ملک میں ایک روایت بہت قوی ہے۔ تیونیسیا کی مزدور تنظیم پورے براعظم افریقہ اور ساری عرب دنیا میں طاقت ور ترین ہے۔ پچھلے برس اس یونین کی محنت کشوں کی جنرل یونین یا "یو جی ٹی ٹی" پر دستور پارٹی یعنی حکومتی پارٹی کا عمل دخل تھا۔ پھر طویل جدوجہد کے بعد مارکسیوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ عشرہ ۱۹۷۰ء کے آخری دنوں میں ملک میں عام ہڑتال ہوئی۔ محنت کشوں کو مملکت کی سیکیورٹی افواج سے جا ٹکرایا گیا جس میں بہت سی جانیں گئیں۔ اس بحران کے نتیجے میں یونین سے دستوری پارٹی کو خارج ہونا پڑا۔

ان تمام تشدد آمیز واقعات کے دوران ہم الگ تھلگ رہے اور ان میں سے کسی کا ہم نے حصہ نہ لیا۔ ہماری کوئی یونین والی سرگرمی نہ تھی، کیونکہ ہمارا ایک طرفہ فیصلہ تھا کہ یونین بازی ہمارے شایان نہیں۔ ایسے حربے کے پیچھے سماجی ٹکراؤ مارکسی نظریہ ہے جو ہمارے تصور زندگی سے میل نہیں کھاتا۔ بعد میں ہم نے جان لیا کہ اس کشمکش میں اسلام کے پاس بھی کچھ کہنے کو ہے اور بحیثیت مسلمان ہم اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ اسلام مظلوم کی حمایت کرتا ہے۔

اپنے ملک میں ہم نے دیکھا کہ بین الاقوامی سرمایہ داری سے وابستہ گروپ عوام کا استحصال کرتا ہے اور اس سے سماجی رواداری، ہم آہنگی اور توازن ٹوٹ گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام لوگوں کے مادی مراتب میں مکمل مساوات کا ڈھونگ نہیں رچاتا کیونکہ یہ صریحاً محال ہے، مگر یہ بھی یقینی ہے کہ اسلامی معاشرے میں یہ روا نہیں کہ چند لوگوں کے پاس تو سب کچھ ہو اور باقی بھوکوں مریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ مومن نہیں

جو خود پیٹ بھر کر سوتا ہے اور اس کو معلوم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے۔" ایک اور مشہور حدیث میں آپ نے قبیلہ اشعریین کے اُن اصحاب کی تعریف فرمائی کہ جب اُن کا رزق تھوڑا ہو جاتا ہے یا وہ غربت کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ اپنا سارا ذخیرہ جمع کرکے آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ "میں اُن میں سے ہوں اور وہ میرے لوگ ہیں۔"

پھر ہمارا موقف بالکل واضح ہوگیا۔ ہم مظلوموں کے طرف دار تھے۔ اسی نکتے سے معاشرتی حقائق کا احساس اور ادراک ہم میں ابھرنا شروع ہوا۔ اسلام پسندوں نے ٹریڈ یونین تحریکوں کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا اور آج وہ اس میدان میں ایک بڑی طاقت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

عوام، خاص کر نوجوانوں کا اسلام کو اس حد تک قبول کر لینا کہ کچھ مساجد میں اسلام کا درس سننے کے لیے کبھی کبھی ہزاروں افراد اکٹھے جمع ہو جاتے، ساتھ ہی ایرانی انقلاب کی مقبولیت اور وہ جوش و جذبہ جو نوجوانوں میں پیدا ہو گیا تھا ۔۔۔ یہ سب مل کر تیونیسیا کو انقلابی احیائے اسلام کی راہ پر لے جا رہے تھے جس میں پرانے نظام کی موت دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ تیونسی حکومت اس نئی تحریک کا قریب سے جائزہ لینے لگی۔ حکومت کے [illegible] اس وقت تعصب عروج پر پہنچ گئے جب تحریک نے درخواست پیش کی کہ اسے قانوناً ایک سیاسی جماعت مان لیا جائے۔ حکومت کو معلوم ہے کہ ہماری تحریک بہت مقبول ہے اور اس کی جڑیں گہری ہیں اور اگر کبھی ہم نے الیکشن میں حصہ لیا تو فتح ہماری ہوگی۔ دوسری طرف باقی ہر جماعت حکومت کے قابو میں ہے، اور یہ خوب معلوم ہے کہ اُن سے کوئی حقیقی خطرہ نہیں ہے۔

ملک کے اندر اور باہر انہی حالات سے حکومت مجبور ہوگئی کہ بڑے پیمانے پر ہماری تحریک کو دبا دے۔ ۱۸ رمضان ۱۴۰۱ھ (جولائی ۱۹۸۱ء) کو ہمارے گروپ کے تمام جانے پہچانے رہنما، ارکان، ہمدردوں بلکہ مشتبہ افراد سمیت گرفتار کر لیے گئے۔ ہم سب کو قید میں ڈال کر بعد میں مقدمہ چلایا گیا اور ۱۰ سال قید تک کی سخت سزائیں دی گئیں۔

سوال: تحریک کے ارکان کے خلاف الزامات کیا لگائے گئے؟

جواب: ہماری گرفتاری کا بہانہ یہ بنایا گیا کہ ہم ایک خفیہ تنظیم ہیں اور یہ کہ ہم نے سربراہِ مملکت کی توہین کی۔ ہمارے دفاع کے لیے سو سے زائد قانون دانوں نے پیش کش کی تھی جنھیں

کچھ اسلام پسندانہ رجحان والے تھے اور کچھ دوسرے رجحان والے — بلکہ وہ تو اس الزام کے خلاف مظاہرہ کرنے پر بھی آمادہ تھے۔

ہماری تحریک ہرگز خفیہ نہ تھی۔ واضح شہادت یہ ہے کہ ہم نے باقاعدہ درخواست دی تھی کہ کسی اور پارٹی کی طرح ہمیں بھی قانونی حیثیت دی جائے۔ استغاثہ کی طرف سے "ثبوت" کے طور پر جعلی اشاعتوں کے چند نسخے پیش کیے گئے جنہیں ہم سے منسوب کیا گیا۔ یہ مقدمات تین سال تک چلتے رہے۔

حکومت کا خیال تھا کہ ہر مقدمے کے بعد تحریک بکھرتی جائے گی، مگر بار بار نئے گروپ ابھر آتے جو تحریک کی رہنمائی کرنے لگتے۔ پہلی گرفتاریوں کے تین سال بعد تیونسی حکومت نے جانا کہ اسلامی تحریک کی طاقت بڑھتی جارہی ہے۔ اسکی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے حتی کہ جس رسالہ یا مجلہ کو اپنے تمام نسخے فروخت کرنے ہوتے اسے بس اسلام پسندوں کے بارے میں ایک مضمون شائع کر دینا کافی ہوتا۔

جنوری ۱۹۸۴ء میں تیونسی حکومت ایک بڑے بحران کی زد میں آگئی۔ "روٹی کے بحران" نے حکومت اور اسکی سیاست کی ناکامی واضح کر دی۔ لہذا حکومت کو مجبوراً عوام کو کچھ مراعات دینی پڑیں۔ یوں ہم اللہ کریم کے فضل سے معافی عام کے تحت رہا ہو گئے۔

سوال:- بورقیبہ حکومت نے اسلام کے ساتھ جو رویہ اور طرز عمل روا رکھا اس کے متعلق مختصراً کچھ بتائیے گا؟

جواب:- کیا عجیب معاملہ ہے کہ بورقیبہ جب فرانسیسی استعمار سے آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا تو اپنے خطابوں میں قرآن و حدیث سے کام لیتا تھا اور مسجدوں میں خطبے دیتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں ان عورتوں کی مذمت کی جو گھر سے بلا حجاب نکل آتی تھیں۔ مگر جب ۱۹۵۶ء میں برسراقتدار آیا تو اس نے حجاب اوڑھنے پر پابندی لگا دی، اور ایک مرتبہ تو اس نے یہ تماشا کیا کہ ایک عورت کا نقاب نوچ کر پھاڑ ڈالا۔ بعد ازاں ۱۹۸۱ء میں ایک قانون منظور ہوا جسکی رُو سے سرکاری دفاتر میں ملازم یا یونیورسٹیوں اور کالجوں میں داخلہ لینے والی خواتین کا پردے میں رہنا ممنوع قرار دیا گیا۔

پھر ۱۹۵۹ء میں اس نے تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیا، اور یہ دیوانی قوانین آج تک نافذ ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں بورقیبہ نے رمضان میں روزے رکھنا ممنوع قرار دیا۔

اور عذر یہ کیا کہ یہ ملکی معیشت کے لئے نقصان رساں ہے اور سارے اہل تیونس کو روزہ توڑنے کی دعوت کے طور پر علی الاعلان شراب پی۔ ۱۹۷۴ء میں اس نے دعوی کیا کہ قرآن میں تضادات ہیں۔ اور موسی علیہ السلام کے معجزات کا مذاق اڑایا۔

گو یہ صحیح ہے کہ بورقیبہ سے پہلے کے حکمران بھی شریعت کے پابند نہ تھے نہ اس پر عمل پیرا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی نے اسلام کی تذلیل نہیں کی تھی، اور نہ مسلمانوں پر مخالف اسلام قوانین مسلط کیے تھے خواہ وہ اندر سے پکے مومن بھی نہ ہوں۔ مگر بورقیبہ تو خلاف اسلام جنگ کرنے اور تیونس میں مغرب پرست مغربی معاشرے کے تمام اقدار و اطوار حیات ٹھونسنے میں فعال رہا ہے۔

سوال:- جب اسلام کے خلاف یہ سب کاروائیاں ہو رہی تھیں، تو علمائے تیونس نے حکومت کے خلاف کوئی موقف اختیار نہ کیا؟

جواب:- "نام نہاد آزادی" کی آمد کے وقت سے علماء کی سیادت کمزور پڑ گئی تھی اگر کوئی امام حکومت کے خلاف بولنے کی جرأت کرتا تو منصب سے معزول کر دیا جاتا۔ اور اسکا جینا دوبھر ہو جاتا۔

جب بورقیبہ نے رمضان میں روزے رکھنے کو ممنوع ٹھیرایا تو دو علماء نے علی الاعلان اس کی مخالفت کی — شیخ عبدالرحمن الخلیف اور شیخ الوطانی — دونوں کو بیس سال قید کی سزا دے دی گئی، گو بعد میں انہیں معافی مل گئی۔

۱۹۶۲ء میں علماء کے ایک گروہ نے فوج کے ایک حصے کے اشتراک سے حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔ سازش پکڑی گئی اور دو علماء شیخ الرحموی اور شیخ عبدالعزیز العقبی، جو اس میں شریک تھے، تختہ دار پر چڑھا دیے گئے۔

سوال:- اب تک ہم نے ماضی کی بات کی ہے۔ آئیے اب آئندہ سے نظر ملائیں۔ شمالی افریقہ اور خاص کر تیونس میں احیائے اسلام کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:- "المغرب" میں جو نام نہاد آزادی کی تحریکیں استعماریوں سے لڑنے اٹھی تھیں، اب خود برسراقتدار آکر انہوں نے عوام سے دغا کی، جنہوں نے اسلام کی خاطر یہ جنگ لڑی تھی اور تب سے انہوں نے خود استعماریوں سے بھی بڑھ کر اسلام

اسلام کو بے دست و پا کر دینے کی کوششیں جاری کر رکھی تھیں۔

آج ہمارے ملکوں میں جو مغرب زدہ خواص بر سرِ اقتدار ہیں وہ صرف اس مختصر سی اقلیت کی نمائندگی کرتے ہیں جو حکمت، فوج اور ذرائع ابلاغ کی طاقت سے مسلم اہلِ ایمان کی آبادی پر زبردستی مسلط ہو گئی ہے۔ استعماریوں ہی نے انہیں تعلیم دی اور انہی سے انہوں نے اقتدار کا ورثہ پایا۔ اب آئندہ کے خواص، جو اسلامی تیونس پر حکمرانی کریں گے، وہ نئی نسل ہے جو اس وقت زیرِ عتاب ہے۔ انشاء اللہ یہی اِس سرزمین میں اسلام کو پھر سے نافذ کریں گے۔

سوال:۔ تیونس کی معیشت مبنی ہے سیاحت کی آمدنی پر، اور فرانس میں جا بسنے والوں کی ارسال کردہ رقوم پر۔ اور انہی دونوں نے ملک کے اخلاقی زوال اور اسلامی شعائر سے بے توجہی پھیلانے میں زبردست حصہ لیا ہے۔ لیکن اگر انہی دو ذرائع سے ملک محروم ہو جائے تو اس کی معیشت کا کیا حشر ہوگا؟

جواب:۔ کسی قوم کی دولت تو اس کے عوام کی اپنی محنت کا ثمرہ ہونا چاہیے۔ مگر بورقیبہ حکومت نے جو آدمی بنایا ہے وہ منتظر رہتا ہے کہ کہیں اور سے فوائد آ کر آ سے مل جائیں، یہی کچھ سیاحت اور پردیسی جا بسنے سے ہو رہا ہے۔ "بورقیبائی آدمی" تو دہائی تلقی کرنے والا شخص ہے جسے سنجیدگی چھو نہیں گئی۔ ہمارے ملک کی معیشت کی اساس تب ہی بدلے گی جب تیونس کا آدمی زندگی کو متاعِ عزیز سمجھنے لگے اور جب اللہ کی راہ میں اپنی کوششوں کی قدر جانے اور اجر بعد الموت پر ایمان لائے۔

کسی ملک کی معاشی ترقی مشکل بات ہے، اور محنت اور سعیِ مسلسل چاہتی ہے۔ ماضی میں تیونیسیا اصلاً زرعی ملک تھا، مگر اب قوم کی عمومی آمدنی (G.D.P.) میں زراعت کا حصہ صرف ۱۵ تا ۱۸ فیصد ہے۔ تیونیسیا کو رومن "یورپ کا کھتّا" کہتے تھے، اور آج نصف سے زائد غلہ درآمد کی جاتی ہے۔ فرانسیسیوں نے زیتون کے درخت اُکھاڑ کر تاکستان لگائے ــــــــ سو آج تیونیسیا ایک بڑا سا ملک ہو گیا جو ملک کی معیشت کی بنیاد یورپ پر گئی

ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی

ترجمہ و تلخیص: محمد طاہر مدنی

اسلام میں متہم کے حقوق

متہم کا لفظ لغت میں "تہم" سے ماخوذ ہے جس کے معنی بدل جانا، خراب ہو جانا آتا ہے۔ اور "تہمت" کے معنی شک و شبہ ہے، یہ "وہم" سے ماخوذ ہے۔ بعض احادیث میں لفظ "متہم" اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں یہ اعلان کروایا کہ خصم اور ظنین کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ لوگوں نے پوچھا کہ ظنین کون ہے، تو آپ نے فرمایا جس کا دین مشکوک ہو۔ (۱)

فقہاء نے متہم کے بجائے "ادعاء" سے ماخوذ لفظ "مدعیٰ علیہ" زیادہ استعمال کیا ہے اور عام طور سے فقہاء لفظ ادعاء کا استعمال ایسے دعووں کے لیے کرتے ہیں جن کا تعلق مالی حقوق یا شخصی معاملات سے ہوتا ہے جیسے قرض، غصب، بیع، اجارہ، صلح، وصیت، نکاح، طلاق، خلع اور وکالہ وغیرہ۔ کیونکہ عام طور سے اسی طرح کے مسائل عدالت میں لائے جاتے ہیں لیکن اگر متہم کا لفظ جرائم میں ملوث افراد کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ زیادہ مناسب ہے جیسا کہ اوپر کی لغوی تشریح سے واضح ہے۔

متہمین کی اقسام

فقہاء نے ان متہمین کی تین قسمیں بتائی ہیں جن پر کسی جرم کے ارتکاب کا دعویٰ کیا گیا ہو۔

۱۔ وہ متہم جو خدا ترسی و صالحیت کے لحاظ سے معروف ہو اور جس کی طرف نسبت اتہام بعید از قیاس ہو۔

۲۔ وہ متہم جو فسق و فجور اور معصیت میں مشہور ہو اور اس کی طرف تہمت کی نسبت قرینِ قیاس ہو۔

۳۔ وہ متہم ہے جس کی حالت مجہول ہو۔

ان میں سے پہلی قسم کے لوگوں پر لگائی گئی تہمت بغیر کسی دلیل کے قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کے خلاف صرف نسبت تہمت کی بنا پر کسی قسم کی کوئی کاروائی کی جائے گی کیونکہ اگر یہ دروازہ کھل جائے تو شر پسند لوگ شرفاء و اتقیاء کو پریشان کر دیں گے۔ البتہ فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ ایسے لوگوں پر تہمت لگانے والے کے خلاف کوئی کاروائی کی جائے یا نہ کی جائے۔ صحیح مسلک جو جمہور کا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے گی۔

رہی دوسری قسم تو احتیاط اور قرائن حال کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی آزادی کو محدود کیا جائے۔ تہمت کی تحقیق کی جائے۔ صرف انکار یا قسم کی وجہ سے اسے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ تحقیق و تفتیش کے لیے اسے قید بھی کیا جا سکتا۔

رہے وہ لوگ جو مجہول الحال ہوں تو قاضی انہیں تحقیق کے لیے روک سکتا ہے تاکہ ان کی حالت واضح ہو جائے۔ یہی عام فقہاء کا مسلک ہے بہز بن حکیم کی حدیث کی بنیاد پر جس میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت کی وجہ سے ایک شخص کو ایک دن تک قید رکھا (۲)

قید کا مفہوم فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ متہم کی آزادی کو محدود کر دیا جائے چاہے جیل میں رکھ کر یا نگرانی کے تحت رکھ کر یا کسی مخصوص جگہ روزانہ حاضر ہونے کا پابند بنا کر۔

البتہ مدت قید کے بارے میں اختلاف ہے کچھ فقہاء نے اس کی تحدید ایک ماہ سے کی ہے جبکہ دوسرے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ معاملہ قاضی یا حاکم کی صوابدید پر ہے۔ (۳)

وہ اصول جنکی رعایت ضروری ہے

شریعت اسلامی میں ایک قاعدہ ہے جسے "براءۃ اصلیہ" کہتے ہیں یعنی اصلاً ہر شخص بری الذمہ ہے اس قاعدے پر بہت سے احکام کی بناء ہے اور بغیر یقینی دلائل کے اس کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے اس کے ساتھ ایک اور مسلّم قاعدہ ہے۔ جس کی تعبیر فقہاء اس طرح کرتے ہیں "الیقین لا یزول بالشک" یعنی یقین شک کے ذریعہ زائل نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں اصول ایک دوسرے سے مرتبط ہیں اور فقہ میں ان سے اکثر استدلال

کیا جاتا ہے۔

ان دونوں اصولوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہونے کے باوجود یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے کو متوقع خطرات و نقصانات سے محفوظ رکھنے کا بھی نظم ہو اور براءۃ اصلیہ کا دائرہ اتنا وسیع نہ کر دیا جائے کہ افراد معاشرے کے لیے خطرہ بن جائیں۔ چنانچہ درج ذیل اصولوں کے ذریعہ اس طرح کے خطرات کے ازالہ کا نظم فقہ اسلامی میں موجود ہے۔

۱۔ الأخذ بالأحوط: جس چیز میں زیادہ احتیاط نظر آئے اس پر عمل کیا جائے۔

۲۔ سد الذرائع: وہ ذرائع جن سے خطرات کا اندیشہ ہو ان کا انسداد ہو۔

۳۔ الضرر یزال: مضرت کا ازالہ کیا جائے۔

ان اصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے فرد اور معاشرے دونوں کے حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا ہے۔ وہ نہ تو فرد کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے حقوق اور آزادی کی آڑ میں معاشرہ پر ظلم ڈھائے اور نہ ہی معاشرے کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ فرد کو اپنے ستم کا نشانہ بنائے اور مشکوک و محتمل ضرر کی بنیاد پر اس کی آزادی پر قدغن لگا دے۔

قاضی کے اختیارات

کسی متہم شخص کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے قاضی کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ محدود ہیں اور اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اس کے دیگر حقوق متاثر نہ ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو قیدی کی حیثیت دی ہے (۴) تو گویا وہ شخص حکومت کی حفاظت میں ہے۔

ابن قیم نے "قید" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "کسی شخص پر پابندی عائد کرنا اور ایسے تصرف کی اجازت نہ دینا جو دوسروں کے لیے ضرر کا باعث ہو" (۵)

لیکن بعض فقہاء نے قید کو حدود میں شمار کیا ہے ایسی صورت میں صرف شبہ کی بنیاد پر اس کا نفاذ جائز نہیں۔ اس لیے کہ ہر انسان کا حق آزادی محفوظ ہے۔ انسان جہاں چاہے جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ هو الذی جعل لکم الأرض ذلولا فامشوا فی مناکبها۔ الآیۃ (۶)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے چلو اس کی چھاتی پر۔۔۔

اسلام نے قیدیوں کا بڑا پاس و لحاظ کیا ہے اور ان کے لیے بہت سے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے پاس ایک قیدی کو رکھا اور یہ ہدایت کی کہ اس کی نگہداشت عزت و تکریم کے ساتھ کی جائے۔ آپ خود اکثر اس کے پاس جاتے اور قیدی کے بارے میں دریافت کرتے۔ حضرت علیؓ قید خانے کا ہنگامی معائنہ کرتے اور قیدیوں کے احوال اور ان کی شکایتیں سنتے۔

فقہاء کے نزدیک جب قاضی کے ذمہ قیدیوں کے معاملات کی تحقیق کا کام کیا جائے تو اس پر پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے قیدیوں کو رہا کرے جو ناحق محبوس ہیں۔

قید کا حکم جاری کرنے کا اختیار

اس بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں کہ کس شخص کو قید کا حکم جاری کرنے کا اختیار ہے۔ ماوردی کا خیال ہے کہ محقق کے اختیارات اس کی حیثیت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اگر محقق قاضی ہو اور اس کے پاس کسی شخص پر چوری یا زنا کا الزام لگایا جائے تو اس تہمت کا کوئی اثر نہ ہوگا اور وہ اس شخص کو قید کرنے کا حکم جاری نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اچھی طرح اس کے معاملے میں تحقیق نہ کر لے۔ لیکن اگر معاملہ سربراہ حکومت کے پاس ہو تو وہ اگر تہمت کو قوی سمجھ رہا ہو تو قید کا حکم کر سکتا ہے اس بارے میں ماوردی کے ہمخیال بہت سے فقہاء ہیں (۷)

قید کی مدت

مدت قید کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ایک ماہ تک قید رکھا جا سکتا ہے لیکن زیادہ مناسب قول یہ ہے کہ یہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے (۸)

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قید احتیاطی بوقت ضرورت کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے البتہ ان شرائط کے نفاذ کے بارے میں شریعت نے کوئی جامد شکل متعین نہیں کی ہے بلکہ یہ امر حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ احوال و ضرورت کے مطابق اس پر عمل کریں

متہم کے ذاتی امور کی تفتیش

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت کا مقام بخشا ہے۔ اور اس کے جسم و جان اور عزت و آبرو پر دست درازی کو ناجائز قرار دیا ہے مسلمان پر اسکے بھائی کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اے لوگو جو ایمان لائے اپنے گھروں کے سوا

دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضامندی نہ لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ (۹)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا (اے ایمان لانے والو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو.....) (۱۰)

آیت کریمہ میں ظن سے مراد تہمت ہے قرطبی کہتے ہیں: آیت میں جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے وہ ایسی تہمت ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص پر زناکاری یا شراب نوشی کی تہمت لگائی جائے اور ایسے قرائن نہ ہوں جس سے اس تہمت کو تقویت حاصل ہو۔ ظن کو یہاں تہمت کے معنی میں لینے کی دلیل "ولا تجسسوا" کے الفاظ ہیں گویا ابتداء میں تہمت کی وجہ سے جو شک پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے اگر کوئی ٹوہ میں پڑنا چاہے اور متہم کے بارے میں تحقیق و جستجو کا ارادہ کرے تو اس سے روک دیا گیا ہے۔ در اصل ظن کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ظن ہے جو معروف ہو اور دلیل کی وجہ سے یا وزن ہو تو ایسے ظن کی بنیاد پر حکم لگائے جا سکتے ہیں دوسری قسم اس ظن کی ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل ہے نہ قرینہ ایسے ظن کو شک کہتے ہیں اور اس کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا یہی دوسری قسم ممنوع ہے (۱۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محض شک کی بنیاد پر یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی شخص کے ذاتی امور کی تفتیش، گھر کی تلاشی، نگرانی، پرائیویٹ گفتگو کا ٹیپ اور اس کے اسرار کی چھان بین کی جائے اس لئے کہ ایسا گمان جس کی پشت پر دلائل و قرائن موجود نہ ہوں گناہ ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ البتہ دلائل و قرائن سے اگر تقویت حاصل ہو جائے تو اسوقت بقدر ضرورت حدود کے اندر رہتے ہوئے تفتیش و تحقیق کی اجازت ہے لیکن یہ تحقیق بلاقید نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سے آداب کا لحاظ کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی عورت کی تفتیش کرے یا عورتوں کی موجودگی میں گھر میں گھس جائے، یا کسی کا مال تلف کیا جائے یا ایسی ضروریات پر پابندی لگائی جائے جس کا تہمت سے کوئی تعلق نہ ہو

متہم کے حقوق: شریعت اسلامی نے متہم (مدعیٰ علیہ) کو بہت سے حقوق سے نوازا ہے جو مختصر درج ذیل ہیں:

۱۔ حق دفاع: متہم کو اپنا دفاع کرنے کا پورا حق حاصل ہے اور عدالت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ متہم کو اس حق کو استعمال کرنے کے پورے مواقع دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جب یمن کا گورنر بنایا تو انہیں یہ ہدایت کی "اے علی! تمہارے پاس لوگ معاملات لے کر آئیں گے تو جب فریقین تمہیں کسی کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک فریق ثانی کی بات نہ سن لینا کہ اس طرح حق واضح ہوتا ہے۔ (۱۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے ایک قاضی سے کہا "اگر جب تمہارے پاس کوئی شخص اس حال میں آئے کہ اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی گئی ہو تو اس کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک فریق مخالف نہ آجائے کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی گئی ہوں۔

اپنے دفاع کے لئے اصولی بات تو یہی ہے کہ ہر آدمی خود اپنا دفاع کرے۔ البتہ اگر وہ اپنے حق دفاع کے استعمال پر قادر نہ ہو تو اس کو مجرم قرار دینا صحیح نہیں ہے اسی لئے بعض فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اکمال شہادت کے باوجود گونگے شخص پر حد نہیں جاری کی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ اگر وہ بولنے کی قدرت رکھتا تو ممکن ہے کوئی ایسا شبہ پیش کرتا جو حد کو ساقط کر دیتا ظاہر ہے اشارہ کے ذریعہ وہ اپنے دل کی تمام باتیں ظاہر کرنے سے معذور ہے اب اگر شہادت کے بعد اس پر حد جاری کر دی جائے تو یہ فیصلہ عدل کے منافی ہوگا کیونکہ شبہ کی موجودگی میں حد کا اجراء نہیں ہوتا۔ (۱۳)

۲۔ وکیل مقرر کرنے کا حق: اگر متہم حق دفاع استعمال کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو کیا وہ اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے؟ اس بارے میں کوئی صراحت نصوص شرعیہ میں نہیں ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا وکیل مقرر کرے تو عدالت اس کے خلاف فیصلہ سنا سکتی ہے اور اس کا نفاذ مدعیٰ علیہ پر ہوگا۔ (۱۴)

دیگر فقہاء نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے چونکہ متہم کے لئے حق دفاع ایک ثابت حق ہے لہذا اس کے استعمال کے سلسلے میں وہ آزاد ہے خود استعمال کرے یا اپنا کوئی نائب مقرر کر دے۔

۳۔ بولنے یا خاموش رہنے کا حق: اس حق کا مقصد یہ ہے کہ متہم بغیر کسی دباؤ، بغیر تعذیب اور دھوکہ کے پوری آزادی کے ساتھ اپنی بات کا اظہار کر سکے۔

اگرچہ قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متہم سے تہمت کے بارے میں مختلف سوالات کرے لیکن متہم

کو جواب

دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے۔ اور اگر وہ اپنے اوپر کسی حق یا حد کا اقرار کرے تو اسے حق رجوع حاصل ہے اور رجوع کے بعد اس اقرار سابق کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

جبری اعتراف: متہم کو اقرار (اعتراف) پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اعتراف کی صحت کے لیے اہم ترین شرط اختیار ہے اور بصورت اکراہ یہ اہم شرط مفقود ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فقہاء کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی کو کسی حق یا جرم کے اعتراف پر مجبور کیا گیا ہو تو یہ اعتراف فاسد ہے۔ اس کی بنیاد پر کوئی اقدام جائز نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" (۱۵)

جب گناہ کفر بوجہ اکراہ ساقط ہو جاتا ہے تو دیگر اشیاء بدرجہ اولیٰ ساقط ہو جائیں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "میری امت کے لوگوں کی خطا، بھول چوک اور وہ چیز جس پر وہ مجبور کیے گئے ہوں معاف ہے (الحدیث) ان دلائل کی روشنی میں ہر وہ اعتراف جو کسی دباؤ، دھمکی یا تعذیب کی وجہ سے ہو ساقط الاعتبار ہوگا۔

متاخرین فقہاء احناف میں بعض علماء مکرہ کے اعتراف کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ کتاب و سنت کی روح سے موافق یہی بات ہے کہ جبری اعتراف کا اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ یہ دروازہ اگر کھل جائے تو ظلم و زیادتی کا ارتکاب ضرور ہوگا۔

حصول اعتراف کے لیے حیلہ: ابن حزم نے اعتراف کے حصول کے لیے حیلہ اختیار کرنے کو جائز قرار دیا ہے اس یہودی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جس نے ایک بچی کا سر پتھروں سے دبا کر اس کو ہلاک کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انداز سے اس سے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے اعتراف کر لیا اب آپؐ نے قصاص کا حکم دیا۔ بعض صحابہؓ کے فعل سے بھی ابن حزم نے استدلال کیا ہے اور کہا کہ اس صورت میں نہ تو اکراہ ہے نہ ہی تعذیب البتہ امام مالکؒ سے حیلہ اختیار کرنے کی کراہت نقل کیا اور اس پر نقد کیا (۱۶)

لیکن امام مالکؒ کا مسلک ہی شرعی اصول و قواعد سے قریب تر ہے کیونکہ حیلہ اختیار کرنے کی صورت میں متہم کے ارادے پر اثر پڑتا ہے اور گویا اس کے بغیر اسے اعتراف پر آمادہ کیا جاتا ہے اور یہ بھی اکراہ ہی ہے کیونکہ اسلام نے اس بات کا پورا خیال کیا ہے کہ ہر شخص کا ارادہ و اختیار ہر طرح سے محفوظ رہے۔

اختیاری اعتراف اور حق رجوع معترف کے رجوع کے لحاظ سے حقوق کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ **پہلی قسم:۔** وہ حقوق جن کے بارے میں اعتراف سے رجوع صحیح ہے یہ حدود ہیں کیونکہ یہ حقوق اللہ میں داخل ہیں اور شبہ کی موجودگی میں حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص زنا کا اعتراف کرے۔ پھر پلٹ جائے تو اس کا رجوع صحیح ہوگا اور حد ساقط ہو جائے گی۔

یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے، ابن ابی لیلیٰ، عثمان البتی، ابو ثور اور اہل ظاہر نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ (۱۸) حدود کے ضمن میں اعتراف سے رجوع کی دلیل ماعز کی حدیث ہے جس میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعتراف کے باوجود رجوع کی تلقین کی اگر رجوع صحیح نہ ہوتا تو آپ کیونکر تلقین کرتے۔

۲۔ **دوسری قسم:۔** وہ حقوق جن میں اعتراف کے بعد رجوع صحیح نہیں ہے، یہ حقوق الناس ہیں۔ ان میں رجوع اس لئے غیر معتبر ہے کہ اعتراف کے ذریعہ معترف لہ کا حق معترف پر ثابت ہو جاتا ہے اب اگر رجوع کرے اور اسے صحیح تسلیم کیا جائے تو غیر کا حق ساقط ہوگا حالانکہ کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف ناجائز ہے۔

۳۔ **معاوضہ کی ادائیگی:۔** بعض علماء کا رجحان ہے کہ تحقیق کے بعد اگر متہم کی برات ثابت ہو جائے تو اسے قید احتیاطی کا معاوضہ دیا جائے گا۔ اس معاوضہ کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اعتذار کی شکل میں بھی ممکن ہے اور مادی و معنوی شکل میں اس کی ادائیگی ہو سکتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غفاری شخص کو قید کیا تھا برات ثابت ہونے کے بعد آپؐ نے اس سے استغفار کرنے کی درخواست کی اور خود بھی اس کے لئے مغفرت و شہادت کی دعا کی۔ ظاہر ہے یہ بہت بڑا معنوی معاوضہ تھا جو اس شخص کو حاصل ہوا۔

یہ بھی واضح ہے کہ یہاں جس معاوضہ کا ذکر ہے یہ بے جا طریقے سے تفتیش کے علاوہ ہے: پس اگر ارباب اقتدار تفتیش کے دوران حدود سے تجاوز کریں سخت ترین اقدامات کریں متہم پر ظلم ڈھائیں تو ایسی صورت میں ان سے بالاتفاق قصاص لیا جائے گا جس طرح سے عام رعایا کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے۔

خاتمہ:۔ ہم نے اس مضمون میں ان تمام حقوق کے استقصاء کی کوشش نہیں کی ہے جو متہم کو حاصل ہیں بلکہ اہم ترین حقوق کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو شرعی قوانین قضاء کے آداب، حاکم و قاضی کی صفات وغیرہ اشیاء اس بات کی ضمانت ہیں کہ ہر انسان کی عزت و شرافت شرپسندوں کی دست درازی سے محفوظ رہے اور معاشرے میں عدل قائم ہو۔

اسلامی تاریخ رسول اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک عدل و انصاف کی روشن مثالوں سے پر ہے۔ تاریخ و سیر کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ خود بعض مسلم ممالک افراد کے حقوق پر دست درازی میں سب سے آگے ہیں۔ کتنے ایسے حکمران ہیں جنہوں نے اپنی رعایا پر ایسے ظلم و ستم ڈھائے اور ڈھا رہے ہیں کہ ان کی زندگی عذاب بن گئی ایسے لوگ امت کے لئے باعث ننگ و عار ہیں یہ لوگ اغیار کے سامنے مسلمانوں کی انتہائی وحشیانہ تصویر پیش کر رہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مسلم ممالک کے حکمرانوں سے ایک ایسی دستاویز پر دستخط کرائی جائے جس میں افراد کے تمام بنیادی حقوق کی حفاظت کی ضمانت ہو اور جو حکمران ان حقوق کو پامال کریں ان کے خلاف سخت اجتماعی اقدام کیا جائے۔

حوالہ جات

① المصنف (۲۲/۸)۔ السنن الکبریٰ للبیہقی۔ سنن الترمذی۔
② الطرق الحکمیۃ (۱۰۱، ۱۰۳) - ③ الاحکام السلطانیہ۔ للماوردی۔
④ الطرق الحکمیۃ۔ ⑤ ایضاً - ⑥ سورۃ الملک / ۱۵۔
⑦ الاحکام السلطانیہ۔ : ۸۳ - ⑧ الطرق الحکمیۃ ۱۰۳ -
⑨ سورۃ النور ۲۷، ۲۸ - ⑩ الحجرات ۱۲ -
⑪ تفسیر القرطبی (۱۷، ۳۳۱، ۳۳۲) -
⑫ ابو داؤد، الترمذی -
⑬ المبسوط ۱۸/ ۱۷۲ -
⑭ ادب القاضی ۱۰/ ۳۳۲؛ فتح الباری ۱۳/ ۱۵۰ -
⑮ النحل ۱۵۶
⑯ المحلی ۱۱/ ۱۴۲
⑰ بدایۃ المجتہد ج ۲ ، مغنی المحتاج ، المبسوط ۹/ ۹۲ -

شہید سید قطب

ترجمانی: محمد رضی الاسلام ندوی (علیگ)

اسلام کو پورا پورا قبول کرو...

یا پورا پورا چھوڑ دو......!

دنیا میں پایا جانے والا ہر نظام، زندگی کے بارے میں ایک فلسفہ اور ایک عام فکر رکھتا ہے۔ ہر نظام میں کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جو اسے نافذ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جو اس کے مزاج اور اثرات سے میل کھاتے ہیں۔ اسی طرح ہر نظام اپنے مزاج اور طریقہ کار کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات و مسائل کیلئے کچھ حل رکھتا ہے۔

یہ بات نہ تو قرینِ عقل و منطق ہے نہ ہی قرینِ انصاف کہ کسی مخصوص نظام سے ایسے مسائل حل کرنے کا مطالبہ کیا جائے جو اس کے پیدا کردہ نہ ہوں۔ بلکہ کسی دوسرے ایسے نظام کی پیداوار ہوں جو اپنے مزاج اور طریقہ کار میں اس نظام سے واقف ہوں۔

عقل سلیم یہ کہتی ہے کہ جو شخص زندگی کے مسائل کا حل کسی مخصوص نظام سے چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ پہلے اس نظام کو زندگی میں نافذ کرے پھر دیکھے کہ آیا یہ مسائل نمودار ہوتے بھی ہیں یا نہیں؟ صرف اسی صورت میں اس نظام سے ان مسائل و مشکلات کے حل کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جو اس کے نفاذ کے دوران پیش آتے ہیں۔

اسلام ایک مکمل معاشرتی نظام ہے۔ اس کے تمام پہلو باہم دگر مربوط اور پیوست ہیں۔ یہ نظام اپنے مزاج، زندگی کے بارے میں اپنے نظریہ اور زندگی گزارنے کیلئے اپنے ذرائع و وسائل میں مغربی نظاموں اور دیگر ان نظاموں سے جو آج دنیا میں نافذ ہیں، یکسر مختلف ہے۔ اس کے اور ان نظاموں کے درمیان بنیادی اور کلی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ آج معاشرہ جن مسائل سے دوچار ہے اور جن مشکلات کا شکار ہے

وہ اس کے پیدا کردہ نہیں بلکہ معاشرہ میں نافذ انہیں نظاموں کی بدولت اور اسلام کے کارگہ حیات سے دور ہو جانے کے سبب پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے بعد بھی یہ عجیب و غریب بات سامنے آتی ہے کہ ان تمام مشکلات میں اسلام سے فتویٰ مانگا جاتا ہے۔ اسلام سے ان تمام مسائل کے حل کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور ایسے مسائل میں اس کی رائے معلوم کی جاتی ہے جو اس کے پیدا کردہ نہیں۔ اور نہ ہی ان کے وجود میں وہ شریک رہا ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے ملک میں جہاں اسلامی نظام سرے سے نافذ ہی نہیں "عورت اور پارلیمنٹ" "عورت اور سروس" "عورت اور اختلاط" "نوجوانوں کے جنسی مسائل" اور اسی طرح کے دیگر مسائل میں اسلام کی رائے معلوم کی جاتی ہے! اور مزید حیرت تو اس پر ہے کہ یہ چیزیں وہ لوگ معلوم کرتے ہیں جو نہیں چاہتے کہ اسلام نافذ ہو اور زمین پر اسی کی حکمرانی ہو۔ بلکہ وہ اس دن کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں۔ جب اسلام کی حکمرانی ہوگی!!

ان لوگوں کے سوالات و استفسارات سے زیادہ عجیب و غریب ان "علماء دین" کا معاملہ ہے جو ان کا جواب دیتے ہیں۔ اس قسم کی جزئیات اور فروعی مسائل میں اسلام کی رائے۔ اور اس کے حکم کے بارے میں ان پوچھنے والوں کیساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ اور یہ سب ایسے ملک میں ہوتا ہے جہاں نہ اسلامی حکومت ہے نہ اسلامی نظام نافذ ہے۔

عورت آج کے زمانے میں پارلیمنٹ میں جائے یا نہ جائے؟ دونوں جنسوں میں باہم اختلاط ہو یا نہ ہو؟ عورت سروس کرے یا نہ کرے؟ یا اسی طرح کے دیگر ان مسائل سے اسلام کو کیا واسطہ جو ایسے معاشروں کی پیداوار ہیں جہاں دوسرے نظام نافذ ہیں۔ جو نہ اسلام کو مانتے ہیں نہ اسلامی حکومت چاہتے ہیں؟!!

ان جزئیات اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کو اسلامی نظام کے مطابق بنانے کی کیا ضرورت؟ جبکہ پورے کا پورا اسلامی نظام حکومت، معاشرتی نظام سے، حکومت کے قوانین سے اور عوام کی زندگی سے بے دخل ہے؟!!

اسلام ایک "کل" ہے وہ تقسیم اور تجزی قبول نہیں کرتا۔ اسے یا تو پورے کا پورا قبول کر لیا جائے یا پورے کا پورا چھوڑ دیا جائے رہی یہ بات کہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور غیر اہم معاملات میں تو اسکی رائے معلوم کی جائے لیکن ان عام

بنیادوں پر جن پر زندگی اور معاشرہ کی عمارت قائم ہے۔ اسکی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے تو یہ ذلت اور پستی کی بات ہے اور کسی عام مسلمان کے لئے بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ عالم دین کہ اسے اسلام کیلئے قبول کرے۔

ایسے معاشروں میں (جو اسلام کو نہیں مانتے اور اسلامی شریعت کو نہیں قبول کرتے) پیدا ہونے والے مسائل میں سے کسی جزئی مسئلہ پر استفتاء کا جواب یہ ہے کہ ان پوچھنے والوں سے کہا جائے کہ پہلے اسلام کو پوری زندگی پر نافذ کرو پھر اسکے بعد اسکی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہوں۔ ان کے بارے میں اسکی رائے معلوم کرو۔ آخر ان مسائل میں جو اسلام سے مخالف و متناقض دوسرے نظاموں کی وجہ سے پیدا ہوتے ہوں اسلام کی رائے معلوم کرنے کا کیا جواز ہے؟

اسلام لوگوں کی ایک خاص نہج پر تربیت کرتا ہے۔ مخصوص شریعت کے مطابق ان پر حکمرانی کرتا ہے۔ مخصوص بنیادوں پر ان کے معاملات منظم کرتا ہے۔ اور مخصوص معاشرتی معاشی اور شعوری بنیادیں فراہم کرتا ہے اس لئے پہلے پورے اسلام کو نظام حکومت میں، قانون سازی کے اداروں میں اور تربیت کے اصولوں میں نافذ کرو پھر دیکھو کہ تم جن مسائل کا شکوہ کر رہے ہو وہ فی الواقع پیدا بھی ہوتے ہیں یا از خود ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل ان مسائل کے بارے میں اسلام سے استفتاء کیوں جو سرے سے حقیقی اسلامی معاشرہ میں وجود ہی میں نہیں آتے؟!!

ایسا اسلامی معاشرہ قائم کرو جس میں اسلامی شریعت اور اسلامی اصول و نظریات کی حکمرانی ہو۔ عورتوں اور مردوں کو گھر، مدرسہ اور معاشرہ میں اسلامی تربیت کرو۔ انہیں زندگی کی بقا کی ضمانت دو جس کا حق اسلام تمام انسانوں کو دیتا ہے۔ اسلام کے نظام عدل و انصاف کو قائم کرو جو وہ تمام لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد عورت سے پوچھو: کیا وہ اب بھی پارلیمنٹ میں جانا چاہتی ہے؟ یا اب وہ ان تحفظات اور ضمانتوں کی موجودگی میں اسکی کوئی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتی؟! اس سے پوچھو کیا وہ اب بھی پبلک اداروں میں سروس کرنا چاہتی ہے؟! یا اب وہ کام کرنا نہیں چاہتی اس لئے کہ اسکی زندگی کے تقاضے اسکی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتے؟!! اس سے پوچھو: کیا وہ اب بھی مردوں کے درمیان آزادانہ اختلاط، زیب و زینت، تبرج و بے پردگی

اور آوارگی چاہتی ہے؟ یا اب اسکی تربیت اسے حیوانی خواہشات اور جنسی شہوات سے محفوظ رکھے گی۔ اور اس کے جذبات اسے اللہ تعالیٰ سے حیاء کی بنا پر عصمت و عفت پر اکسائیں گے؟!

بسا اوقات بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلامی شریعت نافذ کر دینے کی صورت میں ہر سال ہزاروں چوری کرنے والوں کے ہاتھ تو کاٹ دیئے جائیں گے؟

یہ لوگ مذکورہ بالا غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ان کے جواب میں اسلام کی فقہی رائے پیش کرتے ہیں وہ ڈبل غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں......

ہر سال ہزاروں کی تعداد میں پائے جانے والے چور اسلامی معاشرہ کی پیداوار ہیں نہ اسلامی نظام کے۔ بلکہ یہ لوگ دراصل ایسے معاشرہ کی پیداوار ہیں جو بھوکوں اور محتاجوں کو باقی رکھتا ہے۔ اور ان کے مسائل کا کوئی حل نہیں پیش کرتا۔ جو لاکھوں کروڑوں لوگوں کو "بقدر کفاف روزی" تک کی ضمانت نہیں دیتا۔ جو نفس انسانی کی تربیت نہیں کرتا اور نہ ہی پوری زندگی کو اللہ اور اسکی شریعت سے جوڑتا ہے۔

رہا اسلامی معاشرہ تو وہ ایسے معاشرہ سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ پیش کرتا ہے جس میں ہر فرد کو روزی کی ضمانت حاصل ہے۔ خواہ وہ برسر عمل ہو یا بیکار، کام کرنے پر قادر ہو یا عاجز و بے بس، صحتمند و توانا ہو یا بیمار۔ وہ ہر سال بیت المال کیلئے اصل مال سے۔ نہ کہ صرف نفع سے۔ اوسطاً بیسواں حصہ لیتا ہے۔ اس کے بعد بھی وہ۔ بغیر کسی قید و شرط کے، افراد کے مال سے اتنا لے سکتا ہے جتنے کی حکومت کو، معاشرہ کو آفات و مشکلات سے محفوظ رکھنے کیلئے ضرورت ہو۔

پہلے اس نظام کو نافذ کرو پھر دیکھو کہ کیا اس کے بعد بھی کوئی محتاج بچتا ہے؟!

اسی طرح بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں نوجوانوں کے جنسی مسائل کا حل کیا ہوگا؟

دراصل ان لوگوں کے پیش نظر وہ نوجوان ہیں جو غیر اسلامی معاشرہ میں زندگی گزارتے ہیں۔ جہاں کی ہر چیز انکی جنسی خواہشات کو برانگیختہ کرتی ہے اور شہوات کو بھڑکانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس صورتحال میں وہ ان نوجوانوں کے مسائل کے بارے میں اسلام

کی رائے معلوم کرتے ہیں۔

جبکہ اسلامی معاشرہ میں ایسی دوشیزائیں نہیں ہوں گی جو لباس پہننے کے باوجود برہنہ معلوم ہوتی ہوں۔ جو خود مائل ہونے والی اور دوسروں کو مائل کرنے والی ہوں۔ جو ہر جگہ نظر آنے والی، اور ہر محفل کی "شمع" بنتی ہوں۔ جو فتنہ پھیلانے والی، اور شیطان کا آلۂ کار ہوں۔ اسلامی معاشرہ میں احباب اینڈ کمپنی کی فلموں اور گانوں جیسی گندی فلمیں اور فحش گانے نہیں ہوں گے ..... اسلامی معاشرہ میں ایسی صحافت نہیں ہوگی جو ننگے پن اور بے حیائی کی باتیں شائع کرتی ہو۔ اسلامی معاشرہ میں انواع و اقسام کی شراب نہیں ہوگی جو لوگوں کے سامنے فسق و فجور اور بے حیائی کو خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتی ہے۔ اور انہیں ارادہ و تفکر کی قوت سے محروم کر دیتی ہے۔ ۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ نوجوانوں کیلئے نوخیز بیویاں فراہم کرے گا۔ اس لئے کہ جو شخص شادی کرنا چاہتا ہو اس کی مدد کرنا بیت المال کا فرض ہے۔

اس لئے اگر تم نوجوانوں کے جنسی مسائل میں اسلام کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہو تو پہلے پورے کا پورا اسلامی نظام نافذ کرو۔ پھر اس کے بعد۔ نہ کہ اس سے پہلے ۔ دیکھو کہ کیا نوجوانوں کے مسائل بچتے ہیں؟

ایک ایسے مسئلہ میں جو اسلامی نظام کے نفاذ سے پیدا ہوا ہو۔ اور اسلام زندگی سے بے دخل ہو، اسلام کی رائے معلوم کرنا اس کے ساتھ ایک قسم کا مذاق ہے۔ اور جو مفتیان کرام اس قسم کے استفسار کا جواب دیتے ہیں وہ بھی اس مذاق میں برابر کے شریک ہیں۔

جو لوگ آج اسلام کا نام لیکر عورت کے تخیلات میں حصہ لینے یا مروس کرنے پر پابندی عائد کرتے ہیں۔ یا آستین و دامن لمبا کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کے نیک اور پاکیزہ جذبات کی قدر کرنے کے ساتھ مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دیجئے کہ یہ لوگ اسلام کے استہزاء اور مذاق کا سبب بنتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ اصل مسئلہ کو انہیں جزئیات میں محدود کر دیتے ہیں۔

انہیں تو چاہیے کہ اپنی تمام طاقتیں زندگی کے تمام گوشوں میں اسلامی نظام اور اسلامی شریعت کے نفاذ میں صرف کر دیں۔ اور مطالبہ کریں کہ اسلام معاشرتی نظام اور حکومت کے قوانین پر حکمرانی کرے اور مدرسہ، گھر اور زندگی پر اسلامی تربیت کا تسلط ہو۔ انہیں چاہیے کہ وہ اسلام کو پورا پورا قبول

بقیہ صفحہ ۴۳ پر

غزل

اسلم نصیرپوری

پیاسا ہوں ازل سے میں اے ساقی میخانہ
لایا ہوں ترے در پہ ٹوٹا ہوا پیمانہ

یہ راز نہ سمجھو گے اے ہوش و خرد والو
کیوں شمع فروزاں سے ٹکراتا ہے پروانہ

گفتار میں عیاری کردار میں مکاری
فرزانوں کی محفل سے بے زار ہے دیوانہ

دھرتی بھی سہم جائے آکاش بھی تھرائے
انداز دکھا اپنا اے ہمت مردانہ

یہ گردش دوراں بھی رک جاتی ہے ہم دیکھو
گردش میں جب آتا ہے ساقی تیرا پیمانہ

یہ چاک گریبانی رندوں کا مقدر ہے
واعظ کو مبارک ہو انداز شریفانہ

اسلم یہ تقاضہ ہے دستور محبت کا
بیگانے سے لڑ لینا اپنا ہو کہ بیگانہ

نعت شریف

شفیق ملاہی

جب بھی سکوت ذہن میں حرف اتر گیا تیرا
روح نواز بن گیا زمزمۂ صدا تیرا

تیرے قدم کی جستجو حسن طلب کی آبرو
دل نے یہ فیصلہ کیا اور میں ہو گیا تیرا

وحشت حیات پر تیرے پیار کا ابر [illegible]
دور تلک دراز ہے دائرۂ دعا تیرا

سوچ رہا ہوں در پہ شان میں تیری کیا کہوں
حمد سرا زباں مری نعت سرا خدا تیرا

تجھ سے ملے ہے آج بھی تیرہ شبوں کو سحر کو
رات ابھی محیط تھی نور چمک اٹھا تیرا

تیرے حضور گرد گرد طائف جہاں ہوا
چاند بھی گرد راہ کا نقش و نشاں ہوا تیرا

شفیق نہیں ہے جو کچھ ان
تاج و سریر و سلطنت سب
عرش بریں کی راہ کو مل گیا نقش پا تیرا

حجۃ الوداع ایک انقلاب انگیز دعوت

امین احسن
متعلم
جامعۃ الفلاح

سوشل ازم، نیشنل ازم، کیپٹل ازم، کا پوسٹ مارٹم، ارشادات نبوی کی روشنی میں

اگر ہم موجودہ دنیا پر سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں یہ دنیا آج سسکتی اور بلکتی نظر آتی ہے آج دنیا میں ہر طرف فساد، بدامنی، طمع، ہوس، بغض و عداوت اور تعصب و تنگ نظری کی جنگ ہے ظلم و بے انصافی، اور قتل و غارت گری کا دور اپنے شباب پر ہے۔ اگر کوئی قوت والا ہے تو اپنی قوت کے بل بوتے پر کمزور کو غلام بنایا ہے اور اگر کوئی دولت مند ہے تو سرمایہ داری کے نشے میں وہ غریبوں کا خون چوس رہا ہے اگر فہم و فراست کی عینک لگا کر دیکھا جائے تو عدل و انصاف کہیں دور، دور تک بھی نظر نہیں آرہا ہے، قانون کو اپنے پاؤں سے روندا جارہا ہے گویا کہ قانون کوئی چیز ہی نہیں ہے غریب اور پسماندہ لوگ اپنا خون پسینہ ایک کرکے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کیلئے جو چند روپے کماتے ہیں وہ بھی ان سے جابروں سے طرح طرح کی زیادتیوں سے چھین لیا جاتا ہے غرضیکہ اسوقت دنیا کی مثال ایک ایسے مریض کی سی ہے جسے مختلف انواع بیماریوں نے نڈھال کر دیا ہوں۔ اب یہ بیمار دنیا اپنی تکالیف اور علالت سے اسقدر گھبرا اٹھی ہے کہ جو بھی اسکے علالت کو رفع کرنے کیلئے علاج کا معمولی سا نسخہ پیش کرتا ہے یہ اسکا تجربہ کرنے کیلئے تیار ہوتی ہے دکھی انسانیت کی بے قراری ہی اس بات کا سبب ہے کہ مروجہ نظام ہائے حیات کو استعمال کیا گیا یعنی سوشلزم، کیپٹلزم نیشنلزم، مگر مرض بڑھتا ہی گیا ہے

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

دنیا ان مروجہ نظام ہائے حیات سے اب مایوس اور غیر مطمئن نظر آرہی ہے، اگر چشم بصیرت سے بغور دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ دکھی دنیا کو ان تینوں ازموں

سے ہی نڈھال کرکے رکھا ہے، کیونکہ سوشل ازم، کیپٹل ازم، اور نیشنل ازم، آج عالم انسانیت کو زہریلے ناگ کی طرح ڈس رہے ہیں، یہ انسانیت کو اس طرح نگل رہے ہیں جیسے کوئی اژدہا چھوٹے چھوٹے جانوروں کو نگلتا اور نکلتا ہے۔ انھوں نے انسانیت کا خون بہا بہا کر زمین کے چہرے کو رنگین کیا ہے۔ فرش امن کو فنا کرکے رکھ دیا ہے۔

انسانیت کے حقیقی نجات دہندہ خدا کے آخری پیغمبر اسلام نے آج سے کئی سو سال پہلے ان نظریات کی بیخ کنی کردی تھی اسوقت بھی یہی نظریات قبائلی و گروہی عصبیات اور سود خوری کے روپ میں عرب سماج کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلام نے ان تینوں ازم اور نظریات کے چہروں سے انکے نقاب کا پردہ چاک کیا تھا۔

(۱) سوشل ازم کا قلع قمع

خطبے کے دوران حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا۔ ترجمہ: تمہارے خون اور اموال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں ایسے ہی جیسے آج کے دن اس شہر مکہ اور تمہارے اس مہینے ذی الحجہ کی حرمت ہے۔

عرب کے لوگ گرچہ دین ابراہیمی سے انحراف کرچکے تھے پھر بھی یوم عرفہ، حرم مکہ اور ذی الحجہ کے احترام کا عقیدہ عرب کے بچے بچے کے دل میں پیوست تھا۔ ان دنوں میں عرب کے لوگ قتل و غارت گری سے فوراً رک جاتے تھے یہاں تک کہ اگر باپ کا قاتل بھی سامنے آتا تھا تو اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

غرضیکہ پیغمبر اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ ناحق کوئی کسی کی جان نہ لے کوئی کسی کا ناحق خون نہ بہائے، کسی کی عزت و آبرو کو داغ دار نہ بنایا جائے۔ اور آتش حسد کی بناء پر کسی کے املاک پر غاصبانہ قبضہ کیا جائے کسی ذاتی ملکیت یا Property پر دست درازی نہ کی جائے ہر ایک کو جائز طریقوں سے مال کمانے اور دولت بڑھانے کا حق ہے، یہ ارشاد فرماکر پیغمبر انصاف نے

سوشلسٹ نظام کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے کیونکہ املاک کو زبردستی چھیننا اور اسکو حکومت کے چند آلہ کاروں کے ہاتھ میں دینا سوشلسٹ نظام کا مسلّم اصول ہے۔ اس معاشرے میں اگر کوئی بھی پارٹی کو ترقی دینے کی کوشش کرے اور سوشلسٹ نظریے سے متفق نہ ہو تو وہ انکے قانون میں گردن زدنی کے قابل ہے چاہے وہ دولت کتنے ہی جائز طریقوں سے کماتے رہے جب اس نام نہاد نظریہ کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو چشم فلک نے دیکھا کہ اس کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے کشت و خون کا بازار گرم کیا گیا، لاکھوں آدمیوں کو مختلف سزاؤں سے دوچار ہونا پڑا یہاں تک کہ کئی لاکھ کو گھر سے بے گھر کر دیا گیا۔

اسلام کا نظریہ اس سے مختلف ہے وہ جائز طریقوں سے مال کمانے کی آزادی دیتا ہے اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری بھی اپنے سر لیتا ہے۔ ... ... کسی کی مجال کیا کہ اسکی گاڑھی کمائی پر دست درازی کرے، البتہ اسکے صرف کرنے کے ایسے طریقے اور اصول فراہم کئے کہ تاریخ کی آنکھ نے وہ منظر بھی دیکھا کہ لوگ زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے نکلتے تھے لیکن کوئی لینے والا ملتا ہی نہیں تھا اسلام نے یہ دولت خرچ کرنے کا ایسا اصول عالم انسانیت کو دیا کہ جس سے نہ بغض و حسد دل میں جگہ پاتی ہے اور نہ لالچ و حرص کے دروازے کھلتے ہیں۔

نیشنل ازم (قومیت) کی بیخ کنی

ایک دوسرا سوال زمانہ نظریہ جس نے وطن، زمین، نسل و نسب اور رنگ و زبان کی تفریق کر کے انسانیت کو بانٹ دیا ہے۔ ہزاروں لاکھوں ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے جسم انسانیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ہیں۔

اس نظریہ کے مطابق کوئی عجمی عربی نہیں ہو سکتا، کوئی سیاہ فام گورے کے دوش بدوش چل نہیں سکتا، انسانیت کے درمیان افتراق اور وسیع خلیج ڈالنے والے اس نظریے کے شیش محل کو پیغمبر اسلام نے یہ فرما کر چکنا چور کر دیا ولا فضل لعربی علی عجمی ولا للاحمر علی الاسود الا بالتقوی (ترجمہ) کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں کسی گورے کو

کالے پر کوئی فوقیت نہیں اللہ کے نزدیک وجہ امتیاز صرف خدا پرستی ہے" تاریخ کے صفحات اس بات پر گواہ ہیں کہ جس وقت پیغمبر مساوات دنیا کو انسانیت کی بقا اور مساوات کا یہ مسلّم اصول دے رہے تھے اسوقت انکے سامنے مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جس میں غلام و آقا گورے اور کالے امیر و غریب سب کے سب شریک تھے یہ ایسا بہترین اصول ہے کہ جس میں کوئی اونچ نیچ نہیں، کوئی چھوت چھات نہیں، کوئی بھید بھاؤ نہیں کسی برہمن پر ہریجن کا امتیاز نہیں، نسل و نسب، رنگ و زبان کی کوئی تفریق نہیں بلکہ (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) یہ ایسا اصول تھا جس نے اوس و خزرج جیسے ازلی دشمنوں کو شیر و شکر کر دیا اس اصول نے عرب کے ان وحشیوں کے درمیان ایسی اخوت قائم کی کہ ایک دوسرے پر ایثار و محبت میں سبقت لے جانے کا ناقابل فراموش جذبہ پیدا کیا ... سب کو ایک ہی اسلام کے مضبوط رشتے میں اسطرح منظم کیا کہ عربی و عجمی کا امتیاز باقی نہ رہا انسانیت کے درمیان ایسا اتحاد برپا کیا سورج کی آنکھ نے زمین پر ایسا یکجہتی وحدت کا منظر ابھی تک نہ دیکھا۔

کیپٹل ازم (سرمایہ داری) کا آپریشن

انسانی ذہن کا ایک اور وضع کردہ نظریہ کیپٹل ازم ہے جس کی بنیاد ہی سود خوری پر ہے اور جس کی دیواریں جوئے اور سٹے کے ریتیلے تودوں پر قائم کیا، پیغمبر اسلام نے اس ناپائیدار عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اسے مسمار کر دیا، فرمایا (الا ان ربا الجاهلية موضوع) جاہلیت کے تمام سودی کاروبار اور اس قسم کے لین دین حرام کئے گئے سب سے پہلے اپنے چچا کا وہ سود جو بنی ثقیف پر تھا اور بڑی رقم پر مشتمل تھا باطل قرار دیا۔

اس ارشاد نے سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ کیونکہ اس نظریے کا بنیادی عقیدہ ہی سود اور سٹے بازی پر مشتمل ہے، سودی کاروبار جس کے ذریعے لوگوں کی دولت سمٹ کر چند مخصوص جیبوں میں گشت کرتی رہتی ہے۔ نیز سودی نظام نے عالم انسانیت کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اس ... کیپٹلسٹ نظریہ نے امیر کو امیر تر کر دیا اور بے چارہ غریب اپنی جھونپڑی

بھی محفوظ نہ رکھ سکا۔

یہ تین انقلاب انگیز ارشادات فرما کر پیغمبر اسلام نے بڑے زور دار انداز میں فرمایا (الا ان کل شیء من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع)۔ "جاھلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں سنو! جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اس پیغام کو غیر موجود لوگوں تک پہنچائیں۔

گویا کہ موجودہ تینوں نظریات جاہلیت کے تنگ و تاریک دور کی وضع کردہ رسومات و بدعات ہیں جو آج اپنا روپ بدل کر انسانیت کے آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ان تینوں مروجہ و اختراع کردہ نظریات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک قدموں سے آج سے چودہ سو سال پہلے کچل ڈالا ہے تاکہ دنیا میں امن و آشتی کا نظام (اسلام) برپا کیا جائے۔

کیونکہ اس بلکتی اور سسکتی دنیا کا مسیحا صرف اور صرف اسلام ہے ان تینوں ارشادات رسولؐ کی روشنی میں اسلام کے متعلق آدھا تیتر آدھا بٹیر کا تصور رکھنے والے مسلمانوں کے لئے بھی ایک لمحہ فکریہ ہے اسلام کے ساتھ ان نظریات باطلہ کا پیوند کرانا نہایت گمراہ کن تصور ہے اگر اسلام کا دامن تھامنا ہے تو ان تینوں بتوں کو پاش پاش کرنا پڑے گا اور ان خون آشام و مردم کش نظریات سے رشتہ منقطع کرنا پڑے گا۔

بقیہ اسلام کو پورا پورا

کر لیں اور اسے زندگی کے تمام گوشوں میں عمل کرنے دیں۔ اس لئے کہ یہی چیز اسلام اور داعیان اسلام دونوں کے احترام کے زیادہ مناسب ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب وہ اس معاملہ میں سنجیدہ اور اس دعوت میں مخلص ہوں لیکن اگر اس سے ان کی غرض محض شور و غوغہ کرنا ہے جس سے لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھ جائیں۔ اور ایسا کرنے میں انھیں کوئی خطرہ بھی نہیں۔ تو یہ اور بات ہے۔ لیکن میں یہ جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کم از کم بعض تنظیمیں اور جماعتیں اس سے بری ہیں۔

تلاش

ارشاد احمد مخدومی

میں صدیوں سے اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا ہوں یا تو یہ میرا قنوطی رویہ ہے جو مجھے انتہائی تنہائی کا احساس دلا دیتا ہے یا پھر میرا زاویہ نظر بدل چکا ہے، تاحد نظر شعور ذات کی حد تک اکیلا پن اور سونا پن کیوں ہے ان روشنیوں میں بھی اپنی ذات کا پرتو تک مجھے نظر کیوں نہیں آتا کیا میں ہی شپرہ چشم ہوں یا یہ اجالے محض سراب ہیں

کئی بار تنہائی کے عفریت سے خائف اپنے ویرانے سے باہر نکلا اور نکل گیا ان شہروں کی سیر کی جن کے بارے میں سنا تھا کہ یہاں انسان بستے ہیں جا انسانی بھیڑ دل سے بچا ہے لوگ ایک دوسرے کے ہم نشین ہوتے ہیں باہم گفتگو کرتے ہیں تو وقت گزرنے کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔

ان شہروں کی کھوج میں رہا مجھے ایک ہی مسافت طے کرنی پڑی تھی جو کا پیاسا سفر کرتا رہا بدن تھا جا کے چاک تھی سر پہ ردا بھی خاک تھی اور پیروں میں آبلے تھے۔ مگر امید کا دیا دل میں روشن رہا اور تجسس نے توانائی عطا کی وہیں ہوں پہنچا جہاں کا ہوا تھا اور نہ تو شہر دیکھا

انساط نے مجھے تیز کر دیا قدم اندر رکھا پہلے ہی مرحلے پر نگاہوں نے صرف مشینیں دیکھیں اپنے اپنے کام میں مشغول مشینیں اور مشینوں کو چلانے والی مشینیں آگے بڑھا یہی حال وہاں بھی نظر آیا پورا شہر چھان مارا گلی کوچے کی سیر کی انسان کہیں نہ ملا اب تو وحشت اور بڑھی کہ آخر اس کرۂ ارض پر انسان کہاں ہے؟

اور جواب میں میری ہی صدائے بازگشت وہاں سے باہر نکل پڑا ایک سنگ میل پر نظر پڑی جو یہاں سے مشرق میں ایک شہر کا اشارہ کر رہا تھا۔

ہم جنس سے ملنے کی آرزو زور پکڑ گئی سوچا ہو سکتا ہے یہ طویل تنہائی ختم ہو جائے بس اسی حسرت میں عزم و ہمت سے کام لیکر مشرق کی سمت چل پڑا، خوفناک رہ گزر، سناٹے، تاریکیاں مگر ساتھ ہی امید کے روشن چراغ، راہ میں کئی دشوار گزار مرحل آئے بڑے نشیب و فراز سے گزرا انسان نما جانور قدم قدم پہ ملے ان کا خوف قدم روک دیتا مگر صورتیں ہمت بڑھا دیتیں کہ راہ کے جانور انسان سے مشابہ ہیں تو شہر میں یقیناً ہو گا مشرق کے شہر ہو نہ ہو انسانی بھیڑ ہو

بقیہ صفحہ ۸۰ پر

فنکار افضل گڑھی
جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

غزلیں

تیرا میخانہ نہیں مورد الزام ابھی
سر بمہر اور بھی ہیں اسمیں بہت جام ابھی

اے خوشا بخت کہ تیرے جرس نالاں سے
مجھکو آتی ہے صدائے طرب انجام ابھی

میرے شوریدہ و آشفتہ دل کیا معنے
تجھکو لانے ہیں بہت صید تہہ دام ابھی

عشق کو مل بھی گئی حسن سے معراج حضور
عقل سمجھی ہی نہیں معنی الہام ابھی

عشق خلوت گہہ جاناں سے پلٹ بھی آیا
عقل ہے صید تنگ نظری اوہام ابھی

دل تو اک جرم محبت ہی کا مجرم ہے فنکار
عقل کے سر ہیں مگر سیکڑوں الزام ابھی

پہلے دل کو درد کی منزل بنا ؛ پھر جسے چاہے اُسے بسمل بنا
عاشقی کو سعی لا حاصل بنا ؛ نامرادی کو مرادِ دل بنا
شوق گرداب و طوفاں تا بکے ؛ موج سے کشتی بنا ساحل بنا
آپ آجائیگی منزل سامنے ؛ شوقِ دل کو رہبرِ منزل بنا
ہر نظامِ کذب کو دے کر شکست ؛ پھر سے یہ دنیائے آب و گل بنا
زیست کو آلودہ عصیاں نہ کر ؛ ہر نفس کو تازہ مستقبل بنا
اے فنکار اس خاندانِ تیرہ کو
نورِ عرفاں سے مہِ کامل بنا

حافظ سلامہ ـــــ ایک شخصیت ایک تعارف

مصر میں نفاذ اسلام کی عوامی تحریک کے موجودہ قائد

منیر احمد خلیل کے قلم سے

مصر میں ایک بار پھر نفاذ شریعت کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے۔ حکمران پریشان ہیں اس طرح کشمکش کا ایک نیا باب کھل گیا ہے۔ حافظ سلامہ اس تحریک کے رہنماؤں میں ہیں۔ ہفت روزہ تکبیر پاکستان کے شکریہ کے ساتھ ہم ان کا خاکہ پیش کر رہے ہیں۔

ایڈیٹر

ناصر، سادات اور حسنی مبارک نام تین مختلف افراد کے ہیں لیکن کام ان سب کو وہی کرنا پڑا جس کا اشارہ انہیں روس یا امریکہ سے ملا۔ ان کے آقاؤں کی طرف سے انہیں جو بڑا کام سونپا گیا وہ یہ ہے کہ اسلام کو حاکمیت کے منصب تک نہ پہنچنے دیا جائے، اسے شریعت کا قانون نہ بننے دیا جائے اور ریاست پر اس کا سایہ نہ پڑنے دیا جائے۔ ازہر شریف میں اس کے نام پر تقدس و فضیلت مآبی کی رسوم دستار بندی اور جبہ پوشی ہوتی رہے۔ لیکن اسے یہ موقع و اختیار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ حاکموں کو اپنا تابع بنا کر رکھے۔

آج مصر میں عوامی سطح پر تطبیق و نفاذ شریعت کے مطالبے کو منوانے کے لئے زبردست تحریک چل رہی ہے۔ اگرچہ ابھی یہ تحریک سڑکوں اور بازاروں تک نہیں آئی لیکن سینوں میں کھولنے والا لاوا اخراج کے لئے رستہ تلاش کر ہی لیتا ہے۔ غلبہ اسلام کی تحریک مصر میں پہلی مرتبہ نہیں چلی۔ اس کے اسلوب جدا رہے لیکن یہ ناصر کے دور میں بھی موجود تھی۔ سادات بھی اسی کو اہمیت نہ دینے کی احمقانہ سوچ کی نذر ہوگئے۔ اور اب ۱۹۸۱ء میں سادات کی خونچکاں

گدی پر بیٹھنے والے صدر حسنی مبارک کو بھی اسی تحریک کا سامنا ہے۔ صدر مبارک پر دہشت ہو ہے یا غضب۔ بہرحال وہ موجودہ تحریک کے بارے میں پے در پے بیان دیئے آ رہے ہیں جن میں حقیقت فہمی کے بجائے عاقبت نا اندیشی اور معقولیت کے بجائے جذباتیت اور ہذیانیت کی کیفیت غالب ہے۔ انہوں نے اس تحریک کو مذہبی انتہا پسندوں کی دہشت گردی کا نام دیتے ہوئے گزشتہ ماہ کے اوائل میں نہایت غضب سے کہا کہ "میں ان عناصر کو وارننگ دیتا ہوں، وارننگ دیتا ہوں، وارننگ دیتا ہوں"۔ ان کے وزیر داخلہ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "یہ دہشت گرد ہیں جو گولی کی بجائے افکار اور الفاظ سے بمباری کر رہے ہیں"۔ حکومت اور اس کے زیر اثر پریس کہتا ہے اس تحریک کو بیرونی عناصر سے مدد مل رہی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ مصر کی سلامتی اور امن و امان کو نقصان پہونچایا جائے۔ حکومت کے پے در پے اقدام اس کی بدحواسی اور تشویش کے غماز ہیں۔

حافظ سلامہ اور مسجد نور

موجودہ تحریک کے دوران میں رابطہ عامہ کی ذرائع ابلاغ نے کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ حافظ سلامہ اور مسجد نور کا ذکر گزشتہ ڈیڑھ دو ماہ سے تواتر اور کثرت سے سننے اور پڑھنے کو مل رہا ہے۔ نفاذ شریعت کا مطالبہ مصری پارلیمنٹ میں بھی پوری شدو مد سے اٹھ رہا ہے۔ دوسری اسلامی جماعتیں بھی اس مہم میں برابر کی شریک ہیں لیکن عوامی سطح پر اس تحریک کی قیادت ایک ساٹھ سالہ پر عزم بوڑھا حافظ سلامہ کر رہا ہے۔ اور مسجد نور جس کے وہ خطیب تھے اس تحریک کا ہیڈ کوارٹر رہا ہے۔ حکومت نے گھبراہٹ کے عالم میں جو فوری اقدامات کیے ان میں ایک یہ ہے کہ مسجد نور جو درحقیقت ایک دینی مدرسے کا نامکمل اور زیر تعمیر ڈھانچہ ہے۔ حکومت نے سرکاری تحویل میں لے لیا ہے اور حافظ سلامہ اور مسجد کے دیگر حامی عملے کو معزول کر دیا ہے۔ ایک سرکاری ترجمان نے جولائی کے آغاز میں اس سرکاری کاروائی کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا کہ حافظ سلامہ کو اس لیے معزول کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ تبلیغ دین کے لیے مطلوبہ معیار کی اہلیت نہیں رکھتے۔ حافظ سلامہ کی جگہ پر ازہر سے ایک سرکاری مولوی صاحب جن کا نام شیخ اسمٰعیل العدوانی ہے متعین کیے گئے ہیں۔ اس کاروائی کے بعد پہلے جمعہ کو تو مذکورہ سرکاری خطیب اور امام کو نمازیوں نے مسجد میں گھسنے ہی نہیں دیا تھا۔ نماز جمعہ کا خطبہ اور

امامت حافظ سلامہ کے ایک معتمد رفیق عبد اللہ سماوی نے کرائی جو گزشتہ سال ان تین سو افراد کے ساتھ رہا ہوئے تھے جنہیں صدر سادات کے قتل میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ حافظ سلامہ نے نماز جمعہ کے بعد چار پانچ ہزار پر جوش نمازیوں سے خطاب کیا جو نعرے لگا رہے تھے کہ "اسلام کا وقار بحال ہوگا یا ہمارا خون بہے گا۔" "فتح بالآخر حق کی ہوگی۔"

حافظ سلامہ مصر کے خطیب اور میدان جنگ کے غازی

سوال یہ ہے کہ حافظ سلامہ جو صدر حسنی مبارک کے لیے زبردست چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور جن کی مسجد سے مظاہرین کے جلوس کو نکلنے سے روکنے کے لیے ۱۲ جون ۱۹۸۵ء کو حکومت کو اڑھائی ہزار کی تعداد میں ہنگامی پولیس کے جوانوں کے گھیراؤ پر متعین کرنا پڑا تھا۔ جن کی مسجد چھیننے کی کاروائی ہوئی اور اب بالآخر پندرہ جولائی کو حکومت نے تقریباً چار سو دیگر افراد کے علاوہ خود حافظ سلامہ کو گرفتار کر لیا۔ جن کی مسجد میں ان کی گرفتاری کے باوجود بھی حکومت اپنے مقرر کردہ خطیب سے خطبہ نہ دلوا سکی اور ۱۹ جولائی کو حکومت نے مسجد ہی کو سر بمہر کر دیا وہ حافظ سلامہ ہیں کون؟ ہم مصر میں جاری تحریک نفاذ شریعت اور اس سے متعلقہ پہلوؤں سے تجزیے کے توسط سے پاکستانی عوام کو تفصیل سے آگاہ کرنے سے پہلے اس قسط میں صرف حافظ سلامہ کا تعارف پیش کریں گے۔

> **صدر حسنی مبارک کی حکومت نفاذ شریعت کی عوامی تحریک سے دہشت زدہ ہے۔**

حافظ سلامہ کا تعارف

حافظ موصوف ۱۹۲۵ء میں مصر کے شہر سوئیس (سویز) میں پیدا ہوئے۔ شروع ہی سے پر جوش اور باعزم تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اپنے قصبے کے دفاع کے لیے مقامی سطح پر جنگ میں شریک ہو۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ میں بھی حصہ لیا، گرفتار ہو گئے۔ حفظ قرآن گرفتاری کے دوران ہی میں کیا۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں سوئیس پر اسرائیلی حملہ ہوا۔ مصری فوجی مقابلہ نہ کر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حافظ سلامہ

نے مقامی طور پر نوجوانوں کو اکٹھا کیا۔ اور اسرائیلی درندوں کے سامنے ڈٹ گئے عزیمت و استقلال کا وہ ثبوت دیا جس پر صدر سادات نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا تھا کہ یہ شخص "دیوانہ ہے۔" اور پھر اسی "دیوانے" شخص کو سادات نے زبردستی تمغۂ جرأت عطا کیا تھا۔

لندن سے شائع ہونے والے وقیع و انٹرنیشنل عربی ہفت روزہ "المسلمون" کو اپنی حالیہ گرفتاری سے کچھ پہلے ایک انٹرویو میں اس "دیوانے" نے دفاعِ وطن کے اس باب کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ "۲۳ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو یہودی سویس شہر کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر ذاتی طور پر سویس کے نواح میں تصویریں کھنچوا کر دنیا کو یہ تاثر دے رہی تھی کہ سویس پر اسرائیلی قبضہ ہو چکا ہے۔ اسرائیل سویس پر قبضہ کر کے تیسری مصری بریگیڈ کا حصار مکمل کرنے کے ساتھ قاہرہ کے رخ پر پیش قدمی کرنا چاہتا تھا۔ مصری فوجیں سویس کے دفاع کے قابل نہیں تھیں۔

جمعیت الہدایۃ الاسلامیہ کے مرکز میں ایک اجتماع میں ہم نے عوامی سطح پر شہر کے دفاع کا فیصلہ کیا۔ ہم نے غیر فوجی مجاہدین کے دستے تیار کئے اور بہت قلیل اور معمولی اسلحے کے ساتھ مزاحمت کا آغاز کیا۔ دشمن اپنی پوری بٹالین کو شہر پر چڑھا لایا۔ لیکن ہمارے مجاہدوں نے بار بار دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ تاآنکہ اس روز دشمن سات ٹینکوں اور دیگر فوجی گاڑیوں کی تباہی کا نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ ۲۵ اکتوبر کو دشمن نے ایک کوشش پھر کی اور پولیس ہیڈ کوارٹر تک پہنچ گیا لیکن مجاہدین نے ایک مرتبہ پھر دشمن کو زبردست نقصان پہنچا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ۲۷ اکتوبر کو یہودیوں نے شہر کو مسخر کرنے کے لئے خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کی۔ بحری، بری، اور فضائی تینوں رخوں سے شہر پر زبردست حملے کی دھمکی دی۔ لیکن ہم نے دشمن کی ہر چال کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مسجد الشہداء کے لاؤڈ سپیکروں سے اعلان کیا کہ وہی ہو گا جو خدا کو منظور ہے۔ ہم دشمن کی مرضی کے سامنے جھکنے کے بجائے سویس کی مٹی کو دشمن کے خون سے رنگین کریں گے۔ ادھر شہری حکام نے شہر دشمن کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن ہم نے انہیں بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ جو شہر پر دشمن کے قبضے کے حق میں قدم اٹھائے گا۔ ہماری

بندوقوں کی نالیوں کے رخ ان کی طرف بھی ہو جائیں گی۔ ہمارے ساتھیوں نے اس معرکے میں جانیں دیں۔ یوں ہم نے وہ کام کر دکھایا جو ہماری فوج کرنے سے عاجز تھی۔"

جمعیت الہدایۃ الاسلامیہ اور مسجد نور

شیخ سلامہ جمعیت الہدایۃ الاسلامیہ کے صدر ہیں۔ قاہرہ میں آکر انہوں نے دیکھا کہ قاہرہ کے قلب میں عیسائیوں کا بہت بڑا گرجا ہے، جس کی گھنٹیوں کی آواز قاہرہ شہر میں

۱۹۷۳ء کی مصر اسرائیل جنگ میں حافظ سلامہ اور ان کے ساتھیوں نے مصری فوج کے ہمت ہار جانے کے باوجود سویس شہر کا کامیاب دفاع کیا

دور دور تک گونجتی تھی۔ شیخ سلامہ اور ان کے بعض رفقاء کی دینی غیرت پر زبردست چوٹ لگی۔ چنانچہ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ اس گرجے کے مقابلے میں ایک مسجد تعمیر کی جائے جہاں سے تکبیر کی صدائیں اہالیانِ قاہرہ سنیں۔ جمعیت الہدایۃ الاسلامیہ کے زیر اہتمام مسجد اور مدرسے کی تعمیر کا مرحلہ وار کام شروع ہوا۔ مسجد ابھی زیر تکمیل ہے۔ مدرسے کے ایک حصے ہی میں نماز کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ سلامہ کو "مسجد نور" کے نام کی جگہ پر اوقاف کے قبضے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے جو حکومت کے ساتھ کشمکش کے دوران میں جب ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی تو انہوں نے کہا تھا کہ حکومت کے پاس اوقاف کی تحویل میں لینے کیلئے فی الحال کچھ بھی نہیں ہے۔ جمعیت الہدایہ کے زیر انتظام چلنے والا ایک مدرسہ ہے جس کی عمارت ابھی زیر تکمیل ہے۔ اسی زیر تکمیل عمارت کی تکمیل کے بہانے ہی ۱۹ جولائی کو حکومت نے مسجد نور کو مقفل کر دیا ہے۔

کیا حافظ سلامہ انتہا پسند اور حامیٔ تشدد ہیں؟

حکومت کے ذرائع ابلاغ، دین بیزار صحافی اور دانشور حافظ سلامہ کے حوالے سے اسلام کے خلاف منافرت پھیلانے کی

غرض سے پروپیگنڈے کا طوفان اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں "مذہبی جنونی، تشدد پسند"، "کلمہ گو مسلمانوں کی تکفیر کرنے والے" وغیرہ وغیرہ مختلف اور متعدد "القابات" سے نوازتے رہتے ہیں۔

حافظ سلامہ نے اس پروپیگنڈے کا جواب کئی مرتبہ دیا ہے۔ وہ بار بار کہتے رہتے ہیں کہ وہ نہ تو انتہا پسند ہیں اور نہ ہی قانون شکن وہ تشدد کے خلاف ہیں، ان کی ساری جدوجہد ظاہر و باہر، اعلانیہ اور قانون کے دائرے کے اندر ہے۔ وہ زیرِ زمین سرگرمیوں کے سخت مخالف ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں کہا ہے "حکام کی طرف سے مسجد نور کے نمازیوں کو اشتعال دلا کر تصادم کی طرف دھکیلنے کی مسلسل اور بار بار کوشش ہوئی، لیکن میں نے ہر مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اسلامی جماعتوں یا فوج کے کسی ایک فرد کا ایک قطرۂ خون بھی میری نظر میں پوری دنیا کے خون بہانے کے مترادف ہے اور ناحق خون بہانا حرام ہے۔ ہم کسی کو کافر قرار نہیں دیتے۔" انہوں نے کہا کہ وہ کسی بھی کلمہ گو مسلمان خواہ وہ صدرِ مصری ہو، کافر کہنے کا تصور نہیں کر سکتے۔

حافظ سلامہ نے کہا کہ ہمارا دوسری اسلامی جماعتوں سے کوئی اختلاف نہیں ہے سب ہمارے بھائی ہیں۔ اخوان المسلمین کے بارے میں کثرت سے پوچھا گیا کہ ان کی مہم میں اخوان زیادہ سرگرم نہیں ہیں تو انہوں نے کہا: اخوان المسلمین سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں وہ ہمارے بھائی ہیں، ان کی اپنی ایک تنظیم ہے۔ ان کا اپنا مرشد عام (قائد) ہے۔ وہ بہر حال اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل کے پابند ہیں۔ ان کے نظم کے تقاضے ہیں اور انہیں نظم کے مطابق ہی چلنا چاہیے۔ ہماری دعوت ایک ہے، مقصد مشترک ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اخوان تحریک کے بانی حسن البنا شہید سے ان کی گہری عقیدت و محبت تھی۔ وہ امام شہید کے وعظ سنتے رہتے، ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہتے اور ان کی تحریریں پڑھتے رہتے ہیں۔

صاحب المسیرۃ الخضراء

شیخ حافظ سلامہ مصر کے دینی اور سیاسی حلقوں میں غیر معروف نہیں تھے۔ تاہم اچانک عالمی سطح پر ان کا نام جس وجہ سے موضوع اخبار و بحث بن گیا وہ ان کی "سبز

حافظ سلامہ کی جمعیت الہدایۃ الاسلامیہ مصری حکومت کے لیے چیلنج بن گئی ہے۔

ریلی" ہے، جس میں وہ قاہرہ کے میدانِ عابدین سے ایک پرجوش عوامی جلوس کو صدارتی محل تک لے جانا چاہتے تھے تاکہ صدر حسنی مبارک کو اسلامی شریعت کے نفاذ کے سلسلے میں عوامی جذبات کی خبر ہو سکے۔ نیز انہوں نے صدر مبارک کو چیلنج کر رکھا تھا کہ عوامی عدالت میں حاضر ہو کر ان اسباب و امور سے آگاہ کریں کہ شریعتِ اسلامی کی عملی تطبیق کے رستے میں کیا رکاوٹ ہے۔ شیخ سلامہ کا یہ جلوس یا ریلی جسے انہوں نے خون آشامی اور تشدد سے گریز اور امن اور قانون پسندی کی علامت کے طور پر "سبز جلوس یا ریلی" کا نام دے رکھا تھا، مصری حکام کے اعصاب پر اس چار سالہ دور کا سب سے بڑا بوجھ بن گیا تھا۔ یہ ریلی پہلے یکم رمضان کو منعقد ہونی تھی، لیکن بوجوہ اسے ۸ رمضان مورخہ ۱۳ اپریل تک مؤخر کر دیا گیا تھا۔ مسجد نور میں رمضان کے دوران اسلام کے معاملے میں عوامی جوش و خروش کے جو مظاہر ہو رہے تھے، حکام ان سے بے خبر نہیں تھے۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے اس ریلی کو روکنے کے لیے پہلے تو شیخ سلامہ اور دیگر طالبانِ نفاذِ شریعت کو مختلف چھپے ہوئے حملوں اور چالبازیوں سے شکست دینے کی بچکانہ کوشش کی گئی۔ کبھی کہا گیا کہ یہ شخص مذہب کے نام پر ملک دشمن قوتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے۔ کبھی الزام لگایا گیا کہ یہ انتہا پسند دینی تنظیم "الجہاد والتکفیر" کی نئی صدائے بازگشت ہے۔ حکومت نے جب دھمکیوں اور اتہامات سے کام چلتا نہ دیکھا تو قانون کا سہارا لے کر عوامی جلوس اور مظاہرے پر پابندی لگا دی۔ حافظ سلامہ فوری طور پر معاملہ عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم قانون کی حدود کو پھلانگنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتے۔ تاہم انہوں نے حکومت کو سخت الفاظ میں انتباہ کرتے ہوئے کہا "خدا کے غضب سے ڈرو۔ عوامی آواز کو دبانے کے بجائے عوام کا سامنا کرنے کی جرأت کرو اور عوامی فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔"

انہوں نے صدر مبارک کی وارننگ کے جواب میں اسی جلسے میں کہا "میں بھی وارننگ دیتا ہوں کہ اسلامی تحریک کے خلاف کوئی احمقانہ اور نحوست پسندانہ اقدام کرنے سے باز رہیں۔ عوام کی آواز کو دبانے کے شرمناک فیصلے کے لئے ہم نے کوئی جواز نہیں چھوڑا ہے۔ یہ ریلی عوامی، پرامن اور قانونی حدود میں ہے۔"

پبلک ریلی پر قانونی پابندی کو حافظ سلامہ نے عدالت میں چیلنج کر دیا۔ عدالت نے دستوری بنیادوں پر حکومت کے فیصلے کے خلاف شیخ سلامہ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ لیکن ۱۹۸۱ء میں صدر سادات کے قتل کے وقت سے رائج ہنگامی قوانین کا ہتھیار حکومت کے پاس موجود تھا جس کے تحت نہ صرف ریلی پر پابندی رہی بلکہ حافظ سلامہ پس دیوار زنداں چلے گئے اور مسجد نور مقفل ہو گئی۔

★★★

سید حامد حسینؒ

یہ خبر بڑے افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ امیر حلقہ اترپردیش جناب سید حامد حسینؒ صاحب کا مکہ معظمہ میں انتقال ہو گیا۔ ۲۰ ستمبر کو دفتر حلقہ یوپی کو اطلاع موصول ہوئی اور ۲۲ ستمبر کو ۹ بجے صبح دفتر حلقہ میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ "ایڈیٹر"

ایس آئی او حلقہ یوپی کی مشاورتی کونسل کی ایک نشست آج مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۹۲ء کو زیر نگرانی قائم مقام امیر حلقہ یوپی منعقد ہوئی اس میں امیر حلقہ جناب مولانا سید حامد حسین صاحب کی وفات پر درج ذیل قرارداد پاس کی گئی۔

"شوریٰ کونسل اس بات کو محسوس کرتی ہے کہ مولانا کی رحلت ایک بہترین قائد اور تحریک اسلامی کے ایک جانباز مجاہد، بہترین خطیب اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے والے لیڈر کی رحلت ہے۔ اور وہ اپنے ایک مشفق مجاہد سرپرست سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہر ایک اس عظیم سانحہ پر غمگین ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے جنت الفردوس میں جگہ دے، اور ان کا بہترین نعم البدل عنایت فرمائے۔ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے "آمین"۔"

تحریر: ڈاکٹر شمس الرحمن، افغانستان

ترجمانی: ابو جاوید

ردیف رسولؐ حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ

پایا رسولؐ تھا جو ایک طویل انتظار اور شدید بے چینی کے بعد یثرب کے بالائی حصے سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اور ادھر مدینہ منورہ کے باشندے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ملاقات کی خوشی میں اپنے گھروں کے دروازوں اور مکانوں کی چھتوں پر اکٹھا ہو رہے ہیں۔ اور انکے ہونٹوں پر تہلیل و تکبیر کے سرمدی کلمات مچل رہے ہیں۔ اور اس طرف مدینہ کی کمسن اور بھولی بھالی بچیاں اپنے ہاتھوں میں دف اور آنکھوں میں شوق انتظار لئے نکل پڑی ہیں۔ انکے لبوں پر خیر مقدمی نغمات ہیں، جنہیں وہ ایک ساتھ مل کر بار بار دہرا رہی ہیں۔

أقبلَ النبيُّ علينا

مِنْ ثَنِيَّاتِ الوداع

وجبَ الشكرُ علينا

ما دعا لله داع

"ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہو کر ماہ کامل ہمارے سامنے آگیا۔ جب تک بلانے والا اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہے ہمارے اوپر اسکا شکر واجب ہے۔"

اور یہ پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوس جو دو رویہ صف بستہ کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا نہایت سبک خرامی اور نرم روی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ جسکو مشتاق دلوں اور پرشوق دلوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے، جیسے اوپر افکہائے مسرت و انشاط کے گجر ہائے آبدار اور تبسم ہائے سرور فرحت انبساط کے گلہائے مشکبار نچھاور کئے جا رہے ہیں۔

لیکن حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جلوس کا مشاہدہ نہ کرسکے۔ وہ آپؐ کے استقبال کی سعادت سے محروم رہ گئے۔ یہ محرومی اس لئے حصے میں آئی کہ وہ اپنی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لئے وادیوں کی طرف نکل گئے تھے کیونکہ بھوک پیاس کی وجہ سے اُن کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ جب کہ یہ چند بکریاں ہی ان کا کل سرمایہ تھیں جو دنیا کے متاعِ فانی میں سے ان کے زیر ملکیت تھا۔

فرحت و سرور کی وہ کیف پرور فضا جو مدینہ پر چھائی ہوئی تھی، بہت جلد اس کی دور و قریب کی وادیوں تک عام ہوگئی، سارے کہسار و بیابان اسکی ضیا باریوں سے جگمگا اٹھے اور اسکی خوش خبریاں حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں حالانکہ وہ مدینہ سے دور دیہی میدانوں میں اپنی بکریاں چرانے پھر رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی۔ قارئین اسکی تفصیل ہم انہیں کے الفاظ میں ہدیۂ حاضرین کر رہے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں اس وقت اپنی بکریوں میں تھا۔ آپؐ کی تشریف آوری کی خبر جیسے ہی مجھے ملی، میں نے بکریوں کو وہیں چھوڑا اور بلاتاخیر آپؐ سے ملنے کے لئے مدینہ روانہ ہوگیا اور دربار نبوی تک پہنچ کر عرض کیا، اللہ کے رسولؐ! آپ میری بیعت قبول فرمائیں گے؟"

"تم کون ہو؟" آپ نے پوچھا۔

"عقبہ ابن عامر جہنیؓ" میں نے جواب دیا۔

"کونسی بیعت تمہیں پسند ہے۔ تم بیعت اعرابیہ کروگے یا بیعت ہجرت؟" آپؐ نے سوال کیا۔

"بیعت ہجرت" میں نے جواباً عرض کیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی انہیں باتوں پر بیعت لی جن پر اور مہاجرین سے لی تھی۔ پھر میں آپؐ کی خدمت میں ایک رات گذار کر واپس اپنی بکریوں تک آگیا۔

ہم لوگ کل بارہ آدمی تھے جو اسلام لانے کے بعد اپنی بکریاں چرانے

کے لئے مدینہ منورہ سے دور — وادیوں میں اقامت گزین تھے — ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے کہا — "اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے اور انکے اوپر آسمان سے نازل ہونے والی وحی کو سننے کے لئے باری باری خدمت اقدس میں حاضری نہ دے سکیں تو ہمارے اندر خیر کی کوئی بات نہ ہوگی۔ مناسب یہ ہے کہ روزانہ ہم میں سے ایک آدمی یثرب جایا کرے اور اپنی بکریاں باقی ساتھیوں کی حفاظت میں چھوڑ جائے۔"

میں نے کہا کہ "تم لوگ یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ہر جانے والا اپنی بکریاں میرے حوالے کرجایا کرے — میں اپنی بکریوں کے بارے میں بہت محتاط رہتا تھا اور انہیں کسی کے سپرد کرجانا مجھے گوارا نہ تھا —

"اس کے بعد سے روزانہ صبح کو میرا ایک ساتھی حضور کی خدمت میں جاتا۔ اور اسکی بکریوں کو چرانے کی ذمہ داری میں انجام دیتا۔ اور واپسی پر میں وہ تمام باتیں اس سے پوچھ کر معلوم کرلیتا جو وہاں سے سن کر اور دیکھ کر وہ آتا تھا۔

لیکن چند روز کے بعد میں نے اپنے آپ سے کہا۔

"تم تباہ ہو، کیا تم ان چند حقیر سی بکریوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان سے براہ راست اور بالمشافہہ دین سیکھنے پر ترجیح دینا چاہتے ہو؟" پھر میں اپنی بکریوں سے کنارہ کش ہوکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا تاکہ وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ یعنی مسجد نبوی میں قیام کرلوں گا

حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی جس وقت یہ اہم فیصلہ کر رہے تھے اس وقت اُن کے دل میں یہ بات کھٹکی بھی نہ ہوگی کہ چند سال گذرنے کے بعد وہ اکابر علماء صحابہؓ میں سے ایک زبردست عالم، بڑے قراء میں سے ایک مشہور قاری، عظیم فاتحین میں سے ایک نامور فاتح اور قابل ذکر والیانِ اسلام میں سے ایک کامیاب والی

ہو جائیں گے۔ اور جب وہ اپنی بکریوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف جا رہے تھے تو ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہو گی کہ وہ ام الدنیا ــــ دمشق ــــ کو فتح کرنے والے لشکر کا ہراول دستہ ہوں گے۔ اور اسکے سرسبز و شاداب باغات کے درمیان شاہانہ طور پر اپنے لئے ایک شاندار محل تعمیر کرائیں گے نیز وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ دنیا کے سبز نگینہ اور اسکے والی مصر ــــ کو فتح کرنے والی فوج کے قائدین میں سے ایک قائد ہوں گے اور وہاں جبل مقطم کی جڑ میں ایک خوبصورت مکان بنوائیں گے۔ یہ ساری باتیں مستقبل کے سینے میں پوشیدہ تھیں اور خدائے تعالٰی کے سوا کوئی بھی انھیں نہیں جانتا تھا

مدینہ منورہ آ کر حضرت عقبہ ابن عامرؓ نے مستقل طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لی۔ وہ سائے کی طرح ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہتے۔ آپؐ جہاں کہیں تشریف لے جاتے، آپؐ کے خچر کی لگام انکے ہاتھ میں ہوتی۔ آپ جدھر بھی رخ کرتے، وہ ہمیشہ آپؐ کے آگے آگے چلتے۔ اور بسا اوقات آپؐ انھیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ "ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ آنحضورؐ خود اپنی سواری سے اتر جاتے تاکہ وہ سوار ہو جائیں۔ اور آپؐ خود پاپیادہ چلیں۔ خود ان کا اپنا بیان ہے کہ

"ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے مدینہ کے ایک بن میں آپؐ کے آگے چل رہا تھا۔ آپؐ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ــــ

"عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہو گے؟"

میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں "نہیں" مگر پھر اس خوف سے کہ کہیں اس میں حضور کی نافرمانی نہ ہو جائے، میں نے کہا

"جی ہاں! اے اللہ کے نبیؐ"

تب آپؐ اپنے خچر سے نیچے اتر آئے اور میں امتثال امر کے طور پر سوار ہو گیا ــــ اور آپؐ پیدل چلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں

نیچے اتر آیا اور رسول اللہؐ سوار ہو گئے ــ پھر آپؐ نے فرمایا۔

"عقبہ! میں تم کو دو بے مثل سورتیں بتاؤں؟"

میں نے کہا "ہاں اے اللہ کے رسولؐ! ضرور بتائیں"

تب آپؐ نے مجھے "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" پڑھایا۔ اسکے بعد جب نماز کھڑی ہوئی تو آپؐ نے امامت فرمائی اور انھیں دونوں سورتوں کو اس نماز میں پڑھا۔ اور مجھ سے فرمایا۔

"سونے سے پہلے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد ان دونوں سورتوں کو ضرور پڑھ لیا کرو۔"

اس کے بعد سے میں زندگی بھر اس نصیحت پر عمل پیرا رہا۔"

حضرت عقبہ ابن عامر جہنیؓ نے صرف دو چیزوں علم اور جہاد ــــ پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دی تھی۔ اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو انکے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہ علم کے گہرے اور میٹھے چشمے ــــ چشمہ نبوت ــــ سے خوب خوب سیراب ہوئے۔ اور مختلف اصناف علم میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کیا۔ حتی کہ قرآن، حدیث، فقہ و فرائض، ادب و فصاحت اور شعر و شاعری میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔

حضرت عقبہؓ نہایت خوش گلو شخص تھے۔ قرآن نہایت خوش لحانی اور ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جب رات کا سناٹا چھا جاتا اور فضا پر سکون اور خاموشی کی چادر تن جاتی تو یہ کتاب اللہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اسکی آیات کی تلاوت شروع کرتے تو صحابہ کرامؓ انکی قرأت کو سننے کیلئے ہمہ تن گوش ہو جاتے، اس سے بیحد متاثر ہوتے اور خدا کے خوف سے ان کے دلوں میں سوز و گداز ہو جاتا اور انکی آنکھیں بے تحاشہ اشک ریز ہو جاتیں۔

ایک روز حضرت عمر ابن خطابؓ نے انکو بلایا اور فرمایا کہ "عقبہ مجھے کچھ قرآن سناؤ" انھوں نے قرآن حکیم کی آیات پڑھنی شروع کیں۔ ایک تو رب السموت والارض کا پر شوکت

اور لرزہ بر اندام کر دینے والا کلام ، دوسرے حضرت عقبہ ابن عامرؓ کی پُرسوز اور دل میں اتر جانے والی آواز حضرت عمرؓ بے حد متاثر ہوئے اشکے اوپر اتقید گریہ طاری ہو گیا اور روتے روتے ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

انتقال کے بعد حضرت عقبہ ابن عامرؓ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مصحف چھوڑ گئے تھے۔ یہ مصحف مصر کی ایک جامع مسجد ـــــ جامع عقبہ ابن عامرؓ ـــــ میں بہت زمانے تک موجود تھا جس کے آخر میں "کَتَبَہٗ عُقْبَۃُ بِنْ عَامِرِ الْجُھَنِی" کے الفاظ درج تھے۔

حضرت عقبہ ابن عامرؓ کا یہ مصحف دنیا میں پایا جانے والا قدیم ترین مصحف تھا۔ لیکن یہ بھی ہمارے دیگر قدیم اور بیش قیمت سرمایوں کی طرح زمانے کی دست بُرد سے نہ بچ سکا۔

اور جہاں تک جولا نگاہ جہاد میں انکی سرگرمیوں اور کارناموں کا تعلق ہے، تو ہمارے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ حضرت عقبہ ابن عامر جہنیؓ غزوہ احد اور اسکے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ وہ اُن جانبازوں میں سے ایک تھے جنھوں نے فتح دمشق کے موقع پر غیر معمولی شجاعت اور ہمت و مردانگی کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے اس کے صلہ میں انکو اس اعزاز سے نوازا کر فتح دمشق کی خوشخبری انھیں کے ذریعہ امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب کی خدمت میں مدینہ بھیجائی وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک آٹھ دن رات اس طرح برابر تیزرفتاری کے ساتھ سفر کر کے وہاں پہنچے اور حضرت عمرؓ کو فتح عظیم کی خوشخبری سنائی۔ وہ اس لشکر اسلام کے قائدین میں سے تھے جس نے مصر کو فتح کیا تھا اور اسکا بدلہ امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے یہ دیا کہ انھیں تین سال تک مصر کا امیر بنائے رکھا۔ پھر حضرت معاویہ نے انھیں جہاد کے لئے بحر ابیض متوسط میں واقع جزیرہ رودس[1] بھیج دیا۔

جہاد سے انکے شوق و تعلق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے جہاد سے متعلق بہت سی احادیث نبویہ کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا تھا اور انکی روایت

[1] بحر متوسط میں واقع ایک جزیرہ جو جزیرہ قبرص کے مغرب اور ترکی کے جنوب مغربی سمت میں ہے۔

روایت خاص طور پر مسلمانوں سے کرتے تھے۔ وہ بڑی جانفشانی اور شوق و دلچسپی کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کرتے اور اسمیں غیر معمولی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔

جب حضرت عقبہ ابن عامر جہنیؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے ـــــ اور اس وقت وہ مصر میں تھے ـــــ تو انھوں نے اپنے لڑکوں کو پاس بلا کر یہ نصیحت کی۔ میرے جگر گوشو! میں تم کو تین باتوں سے روکتا ہوں۔ انکی سختی کے ساتھ پابندی کرنا

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کبھی کسی غیر ثقہ سے قبول نہ کرنا۔

(۲) کبھی قرض نہ لینا۔ خواہ تم فقر و احتیاج کے اس درجے تک پہنچ جاؤ کہ تمہیں کمبل اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننے پڑیں۔

(۳) اشعار کبھی نہ لکھنا کہ اس کی مشغولیت کے نتیجے میں تمہارے دل قرآن سے غافل ہو جائیں۔ اور جب انکی وفات ہو گئی تو انھیں جبل مقطم کی گلی میں دفن کیا گیا۔ پھر جب لوگ ان کے ترکے کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انھوں نے ستر سے اوپر کمانیں چھوڑی ہیں۔ اور ہر کمان کے ساتھ ترکش اور تیر بھی ہیں۔ اور انکے متعلق انکی یہ وصیت موجود تھی کہ انھیں راہ خدا میں وقف کر دیا جائے

اللہ تعالیٰ قاری، عالم اور غازی حضرت عقبہ ابن عامر جہنیؓ کے چہرے کو شاداب رکھے اور انھیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر سے نوازے۔ آمین

کا ہجوم نظر آیا کامیابی کی خوشی میں چیخ پڑا انسان مل گیا بھاگم بھاگ قریب پہونچا ہی تھا کہ ایک دوسرے پہ ٹوٹ پڑے غور سے دیکھا تو یہ دو پیر کے انسان نما جانور تھے۔ آگے بڑھا تو شعلوں میں گھری عمر کی چیز نظر آئی۔ اب تو میں اپنی جان کو بچانے کی فکر میں پڑ گیا۔ راہ فرار کی تلاش میں ایک سمت کو دیوانہ وار بھاگ نکلا ابھی ایک وسیع میدان میں پہونچا ہی تھا کہ کانوں میں یہ صدا پہونچی، حاکم وقت کا فیصلہ ہے کہ اندھیری بستی کے باسیوں کے سوا سب کو ختم کر دیا جائے اور اندھیری بستی کے لوگوں کو حکم ہے کہ جسے چاہیں ارد بد ڈالیں، میں پھر سن کے زندگی کی سرحد پار ہو گئے کس رفتار سے فرار ہوا اس کا پتہ نہیں ہاں اب پھر اپنے بیابان میں واپس آ گیا ہوں انسان کی تلاش ترک کر کے کیوں کہ میرے خیال میں یہ ایک سعی لا حاصل ہے؟

بلند عالم خان ایم۔ اے (علیگ)

غزل

آگ ایسی اگل گئے چہرے
اپنی حدت سے جل گئے چہرے

آئینے ڈھونڈتے رہے ان کو
اپنا چہرہ بدل گئے چہرے

کارزارِ حیات میں اکثر
مثلِ شمشیر چل گئے چہرے

راستے میں بھٹک رہا ہے خلوص
اور آگے نکل گئے چہرے

بلبلاتی رہی خرد یارو
آنکھ میں ڈھل مل گئے چہرے

دن میں مانند آفتاب چڑھے
شام آئی تو ڈھل گئے چہرے

مصلحت مات کھا گئی ان سے
چال ایسی بھی چل گئے چہرے

موجِ طوفاں ڈبو گئی دل کو
اور کنارے اچھل گئے چہرے

یہ ازل سے لہو کے پیاسے ہیں
جام دیکھا مچل گئے چہرے

کوئی پڑھتا نہیں صحیفۂ دل
لفظ و معنی بدل گئے چہرے

قہقہوں کی تو بات دیگر ہے
اک تبسم سے جل گئے چہرے

آج ہم کو تلاش ہے انکی
اس جہاں سے جو کل گئے چہرے

[illegible]

عبدالمغنی فلاحی رانچی
ارشاد محمد محسن وحید
علیگڑھ

حلقۂ یاراں

فاروق عالم ندوی
حامد علی ساغر
انور سہیر سیماب

ماسٹر عبدالمجید صاحب مرحوم پر جاوید احمد خان کے مضمون کے متعلق مجھے بہت سے خطوط ملے ہیں۔ اکثر خطوط میں جاوید صاحب کو سراہا گیا ہے مگر کچھ میں تنقید بھی کی گئی ہے۔ اگر کوئی صاحب ماسٹر صاحب کی زندگی پر مزید کچھ روشنی ڈالنا چاہیں تو ضرور روشنی ڈالیں۔ حیاتِ نو کے صفحات اس کے لئے کشادہ پائیں گے۔

ایڈیٹر

محترمی جناب ایڈیٹر حیاتِ نو

سلام مسنون۔

توقع ہے کہ مزاج اچھا ہوگا عرض یہ کہ مختصر کا پرچہ زیر مطالعہ ہے ماشاء اللہ پسند آیا ہے لیکن ماسٹر عبدالمجید صاحب کی سوانح جس مواد پر مشتمل ہے وہ ان کی زندگی کے ایک ہی رخ کا پتہ چلتا ہے۔ زندگی کے دوسرے رخ سے بالکل تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ ان مضمون کی ابتدا میں آپ کا نوٹ زندگی کے دوسرے رخ کا اشارہ کرتا ہے مجھے تو مضمون حیاتِ نو کے معیار کے مطابق نہیں معلوم ہوتا ہے اگر ماسٹر عبدالمجید صاحب مرحوم خود اس کا مطالعہ فرماتے تو پسند نہ کرتے۔

فاروق عالم ندوی

۲۰ر۸ر ۱۹۹۵ء

برادرم طارق فاروق قریشی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حیاتِ نو کا نیا شمارہ ہاتھوں میں پہنچا ... حیثیت سے پرچہ کافی اچھا ہوگیا۔ البتہ کتابت اور سیٹنگ کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے

ماسٹر عبدالمجید صاحب مرحوم پر جاوید احمد خان کا مضمون پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی ہے

تک سوچتا رہا یہ مضمون کیوں لکھا گیا۔ ہوا ویسا ہے جیسے کوئی کسی کی ہجو کر رہا ہو اور انداز ایسا ہے جس سے ایک ایک لفظ سے خلوص ٹپکتا ہے۔ بہتر ہوتا اگر ماسٹر صاحب کی زندگی کا دوسرا رخ بھی تحریر کیا جاتا۔ مثلاً۔ دین کی خدمت تعلیمی تجربات۔ دین داری، تقویٰ اور خدا ترسی جامعہ کے لئے خدمات وغیرہ۔

فقط والسلام حامد علی ساغر

برادر محترم طارق فاخر قلیط صاحب

السلام علیکم۔

حیات نو ستمبر کا شمارہ دیکھ کر کافی خوشی ہوئی۔ پرچہ بڑی حد تک خوبصورت ہو گیا ہے۔ مضامین بھی اچھے ہیں۔ ماسٹر عبدالمجید صاحب جو "جو میرے استاد رہے ہیں" پر جاوید احمد خاں کا مضمون بڑا حقیقت پسندانہ ہے۔ مضمون پڑھ کر ماسٹر صاحب مرحوم لگتا ہوں نظر گھوم جاتے ہیں۔ جاوید صاحب نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ گردش لیل و نہار ہر ایک کی زندگی پر گرد ڈال دیتی ہے۔ لوگ ہر ایک کو بھول جاتے ہیں ماسٹر جی کو بھی بھول جائیں گے لیکن جاوید صاحب نے کم از کم حیات نو کے صفحات میں ماسٹر صاحب کو زندہ جاوید کر دیا۔

فقط والسلام

ابو زبیر بلیاوی

مکرمی و محترمی ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے مع الخیر ہونگے "حیات نو" شمارہ ستمبر شمارہ جو نظر سے گذرا۔ پڑھ کر فخر سے سر اونچا ہو گیا۔ تقریباً تمام ہی مضامین معیاری تھے اور، ماسٹر عبدالمجید مرحوم پہ مضمون تو واقعی بزرگوار سے عقیدت و محبت کے جذبہ کو جلا بخشنے والا تھا۔ میرا خیال ہے جامعہ کے وہ اساتذہ جو اب ہمارے درمیان نہیں رہے ان کا مستقل ایک کالم ہونا چاہیئے مثلاً ماسٹر اکرام الدین مرحوم، مولانا جلیل حسن ندوی، اور اسی طرح جامعہ کے وہ بھی خواہ حضرات جنھوں نے جامعہ کی زندگی میں انمٹ نشانات چھوڑے ہیں ضرور شامل کیا جانا چاہیئے۔

والسلام عبدالغنی فلاحی
۱۳ر اگست

جناب فاخر قلیط صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ماہ ستمبر کا شمارہ ڈاک سے ملا مطالعہ کی فرصت نکالی اور امید کے عین مطابق حیات نو کے معیار میں ارتقاء کا عمل جاری ہو۔ مضامین کے اعتبار سے یہ شمارہ جامع کہا جا سکتا ہے۔ استاذ محترم مولانا اقبال معروف پر ابو جاوید صاحب کا ترجمہ واقعی ایک قابل ستائش اقدام ہے زبان و بیان اور ترجمانی کے ضوابط پہ پورا اترا

ہے پھر ایسے مضامین معلوماتی تو ہوتے ہی ہیں ساتھ ہی پڑھ کر قاری کے کردار پر غیر شعوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

جاوید احمد خاں کا لکھا ہوا خاکہ ماسٹر عبدالمجید صاحب ایک ادبی شاہکار ہے۔ یہ مضمون زبان و بیان کی تمام تر شگفتگی کے ساتھ صاحب مرحوم کی زندگی کو پردہ نگاہ پر یوں لا دیتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ہم فلاح میں ہیں اور مرحوم پڑھا رہے ہیں۔ اداریہ فکر انگیز ہے۔ عارف اعظمی کا مضمون معلوماتی ہے اور ڈاکٹر یوسف خاں کا مضمون شعرالعجم معلوماتی اور عربی ادب خصوصاً فلاح کے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہونگے ———— شفیق اعظمی کی غزل کا انتخاب اچھا ہے۔

دیوانہ سمجھتے تو نہ تھا ہوں شفیق اب بھی
مگر میری جبیں کو جذبہ ایماں نہیں ملتا

والسلام ارشاد احمد فلاحی

بقیہ مراسلہ الخصوصی

میں جب بھی کبھی کوئی معاشی بحران پیدا ہوتا ہے تو بیشتر معیشتیں اس سے متاثر ہوتی ہے۔ یہ انحصار غلط بات ہے، خدمات اور مال کے باہم مبادلے کے فطری تعلقات تو اسلامی اور عرب دنیا اور افریقہ سے ہونے چاہئیں۔

نورالدین انور

غزل

"نورالدین انور بلریا گنج ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں یہ غزل آپ نے جماعت اسلامی کے پانچ ضلعی اجتماع منعقدہ دلاور ضلع دیوریا میں پڑھ کر سنایا مصرع طرح تھا۔
"پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔"
ایڈیٹر

ذروں سے آفتاب چھپایا نہ جائے گا
عرش بریں کو فرش پہ لایا نہ جائے گا
اسلام ہی ہے فطرت انساں کی روشنی
تاریکیوں سے اس کو چھپایا نہ جائے گا
غالب رہے گا حق ہی زمانے میں دوستو
باطل کا رنگ اس پہ چڑھایا نہ جائے گا
جھک جائیں آفتاب شفق چاند کہکشاں
مومن کا سر کبھی بھی جھکایا نہ جائے گا
ہیبت سے حق کے قیصر و کسریٰ بھی دب گئے
باطل سے آج ان کو دبایا نہ جائے گا
انور یہ شعر کیا ہے ہر دل مومن کا داغ ہے
ہیں تو انھیں دلوں سے بھلایا نہ جائے گا

جامعہ کے لیل و نہار

[illegible]

جامعۃ الفلاح ہندوستان کی ان درسگاہوں
میں سے ایک ہے جنھوں نے اپنے قیام کے بعد بہت ہی
قلیل مدت میں ترقی کی منزلیں بہ آسانی طے کی ہیں۔
اور مسلمانان ہند پر بہت ہی گہرے اور خوشگوار اثرات ڈالے ہیں
جامعۃ الفلاح کا اپنا ایک نصب العین ہے ایک
نصاب ہے ایک نظام تعلیم اور نظام تربیت ہے جو طلبہ
کی مخفی صلاحیتوں کو ابھارنے اور خلاقانہ قوتوں کو بیدار کرنے
کے لئے ایک طریقہ کار ہے۔ یہاں پر طالب علم پر خصوصیت سے
توجہ دی جاتی ہے اور ایسے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں کہ
اسکی اپنی انفرادی صلاحیتیں پروان چڑھ سکیں اور اسکے
اندر خود اعتمادی پیدا ہو سکے تعلیم کا طریقہ ایسا اختیار
کیا گیا ہے کہ طلباء کی صلاحیتیں زیادہ سے زیادہ بیدار ہوں
اور وہ اپنے مطالعہ کو وسیع اور گہرا کر سکیں۔ کسی بھی سبق کو
جب پڑھایا جاتا ہے تو طالب علم اسکو خود مطالعہ کرتا ہے مشکل
الفاظ اور جملے ڈکشنریوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حل کرتا ہے
اور اسکے معانی کی مدد سے اس سبق کو سمجھنے کی کوشش
کرتا ہے اور جب کلاس میں جاتا ہے تو استاذ اسکو دیکھتا ہے
جو باتیں طالب علم کی سمجھ میں آگئی ہیں ان پر استاد حوصلہ افزائی کرتا ہے اور
جو رہ گئی ہیں ان کی توضیح و تشریح کر دیتا ہے اس طرح طالب علم
کے اندر بہت جلد یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بڑی بڑی
اور مشکل مشکل کتابوں کو حل کر لیتا ہے اور پڑھ لیتا ہے۔ جامعۃ الفلاح
تعلیم کا مرکز اور ایک قابل ستائش تعلیم و تربیت کا ادارہ ہے۔

جامعۃ الفلاح میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں
سے تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں اور محنت اور لگن کے ساتھ
حصول علم میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ ابھی ابھی بقر عید کی خوشیاں
گذار کر آئے ہیں جامعۃ الفلاح نے بچوں کو اس روز کے لئے
بقر عید کے موقع پر اپنے والدین اور اعزہ و اقارب سے ملنے کا موقع
فراہم کیا اس بار بقر عید کی یہ چھٹیاں کافی خوشگوار رہیں اور اسکو
مسرتوں کے اوقات بڑے خوبصورت رہے۔

بقر عید کی چھٹی سے دو دن پہلے ہی ۲۰ اگست سے موسلادھار
بارش شروع ہو گئی اور جمعرات تک جاری رہی جمعرات
کو چھٹی ہوئی تو خوب تیز بارش ہو رہی تھی۔ آسمان
بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور زمین جل تھل تھی۔ طلباء گھر
سے اتنے مضطرب تھے کہ جانے والی ٹرین [illegible] ہو گئی تھی اور [illegible]
گذر چکی تھیں۔ [illegible] ان سے ملنے کا شوق اور گھر
پہنچنے کا جذبہ [illegible] قدرت کا [illegible] لطف اور حسین موسم
[illegible]
[illegible] اساتذہ کی طرف
[illegible]

[illegible] ہو گیا
[illegible]
[illegible]

خدا اسکے [illegible]
آمین۔